معارفِ اُصولِ حدیث

• مبادیاتِ فنِ حدیث • اصطلاحات و اقسامِ حدیث
• حدیث و اربابِ حدیث سے متعلق مُفید معلومات • رضوی افادات، ارشادات و تحقیقات

حسبِ فرمائش
عطائے مفتی اعظم ہند حضرت علامہ
مولانا محمد شاکر علی نوری
(امیر سنی دعوتِ اسلامی)

مُرتّبین

مولانا عبد اللہ اعظمی نجمی

مولانا جاوید رضا نجمی

اِدارہ معارفِ اسلامی ممبئی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا
(سورۂ حشر، آیت: ۷)

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود

معارفِ اصولِ حدیث

حسبِ فرمائش: عطائے مفتیِ اعظم ہند
حضرت مولانا محمد شاکر نوری
(امیرِ سنّی دعوتِ اسلامی)

مرتبین:
مولانا عبداللہ اعظمی نجمی
مولانا جاوید رضا نجمی

پیش کش:
ادارۂ معارف اسلامی

ناشر:
مکتبۂ طیبہ

نام کتاب	:	معارفِ اصولِ حدیث
حسبِ فرمائش	:	عطائے مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا محمد شاکر نوری رضوی
مرتبین	:	مولانا عبداللہ اعظمی نجمی، مولانا جاوید رضا نجمی
صفحات	:	۳۳۶
نظرِ ثانی	:	مولانا سید عمران حسینی نجمی، مولانا عبدالکریم نجمی
پروف ریڈنگ	:	مولانا اسرار نجمی، مولانا شاہد رضا نجمی، مولوی سید سفیان نوری
کمپوزنگ	:	مولوی سید حامد نوری، غلام مصطفیٰ آغا
اشاعت اول	:	بہ موقع عالمی سالانہ اجتماع دسمبر ۲۰۱۳ء
تعداد	:	گیارہ سو (۱۱۰۰)
پیش کش	:	ادارۂ معارفِ اسلامی، ممبئی۔
ناشر	:	مکتبۂ طیبہ، ۱۲۶/کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی۔۳
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

☆ نیوسلور بُک ایجنسی، فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئی۔۳۔

☆ ناز بُک ڈپو، فینسی محل، محمد علی روڈ، ممبئی۔۳

☆ اقرأ بُک ڈپو، ۳۰/بی، نور منزل، محمد علی روڈ، ممبئی۔۳

فہرستِ مضامین

حصۂ اول

(مبادیاتِ فنّ حدیث)

حصہ دوم

(ضروری اصطلاحات، متعدد اعتباروں سے حدیث کی تقسیمات واقسام، مثالیں اور احکام)

حصہ سوم

(اصولِ حدیث، اربابِ حدیث اور کتبِ حدیث سے متعلق مفید اور ضروری معلومات)

حصۂ چہارم

(حدیث اور اصولِ حدیث سے متعلق رضوی افادات، توضیحات وتحقیقات)

شرفِ انتساب

اُن نفوسِ قدسیہ کے نام
جنھوں نے
اصولِ حدیث اور فن حدیث
کو مدوّن و مرتب کرنے کی
کامیاب جدوجہد کی

اور

عطائے مفتیِ اعظمِ ہند، داعیِ کبیر
حضرت امیرِ سُنّی دعوتِ اسلامی کے نام
جن کی تحریک وترغیب نے
ہمیں قلم پکڑنے کے قابل بنایا۔

گر قبول افتدز ہے عز وشرف

نیاز مند: مرتبین

پیشِ لفظ

ایمان، عقیدے اور اسلام وسنّیت کا تحفّظ کس قدر دشوار ہوتا جارہا ہے یہ اصحابِ فکرودانش پر بالکل عیاں ہے۔ ہمارے وہ نوجوان جو علماے اہل سنت سے وابستہ ہیں اور ان سے ربط وضبط رکھتے ہیں ان کا ایمان وعقیدہ کسی حد تک محفوظ ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ وہ نوجوان جو عصری اداروں میں اعلیٰ تعلیم کی تحصیل میں مصروف ہیں، علماے اہل سنت، سنّی مبلغین ودعاۃ سے دور ہیں اور مذاہبِ باطلہ کے متبعین وکارندے انھیں اپنے باطل نظریات واعتقادات کا شکار بنائے ہوئے ہیں، ان کے ایمان وعقیدے کی حفاظت اہلِ سنت وجماعت کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

تحریک سنّی دعوتِ اسلامی اپنی بے سروسامانی وبے بضاعتی کے باوجود علماے حق واکابرینِ اہل سنت کی قیادت میں اپنی استطاعت بھر اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے آگے بڑھ چکی ہے۔ چناں چہ آسان وسہل انداز میں ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ اہل سنّت نیز ضروری فقہی مسائل سے روشناس کرانے کے لیے ''اسلامی تعلیمی نصاب (جدید)'' نامی ایک آسان نصاب اور ساتھ ہی ائمۂ اربعہ خصوصًا سراج الاُمّہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید سے نوجوانوں کو بیزار کرنے کا بیڑا اُٹھانے والے غیر مقلدین کی ناجائز کاوشوں کو ناکام بنانے کی خاطر نوجوانانِ اہلِ سنت کو اصولِ حدیث کی بنیادی معلومات سے منظّم انداز میں واقف کرانے کے لیے ''معارفِ اصولِ حدیث'' نامی یہ کتاب پیش کرنے کی اسے سعادتیں حاصل ہورہی ہیں۔

سنّی دعوتِ اسلامی فرقہاے باطلہ واغیار کی طرح یہ نہیں چاہتی کہ نوجوان اپنے

اصل مقصدِ دینی سے دور رہیں کہ مسائلِ وضو و غسل، مسائلِ صلوٰۃ وصوم نیز فرائض وواجباتِ صلوٰۃ اور مکروہات ومفسداتِ صلوٰۃ سے ناواقف رہ کر علمِ حدیث اور فنِ اصولِ حدیث کی ان گتھیوں کو سلجھانے میں لگ جائیں جو کہ مدارسِ اسلامیہ کے طالبانِ علومِ نبویہ کے مشاغل میں سے ہے اور نہ یہ چاہتی ہے کہ فقط اپنے فقہی مذہب کے مسائلِ نماز وروزہ وزکوٰۃ وحج سے واقف رہیں اور باطل کی چالوں سے مسحور سبزی فروشوں اور پان بیچنے والوں کی زبانی اصطلاحات حدیث اور مسائلِ اصولِ حدیث سن کر اپنے فقہی بلکہ اعتقادی مسلک، مسلکِ اہل سنت کے دامنِ حق ہی سے محروم ہو جائیں۔

بلکہ دینی اور اسلامی ضرورت اور بدلتے حالات کی نزاکت دونوں کو ملحوظ رکھ کر ایسے اقدامات کرنا چاہتی ہے کہ ہمارے سنّی نوجوان ''اسلامی تعلیمی نصاب (جدید)'' کے ذریعے دینی واسلامی ضروری علم حاصل کریں اور ''معارفِ اصولِ حدیث'' کی تعلیم حاصل کر کے اپنے اندر اپنے مذہب ومسلک کے دفاع کی صلاحیت بھی پیدا کریں۔

اغیار نے اگر اصطلاحاتِ حدیث ومعلوماتِ اصولِ حدیث کے ذریعے ہمارے نوجوانوں کو بہکانے کی نہ ٹھانی ہوتی تو شاید علمِ اصولِ حدیث کی معلومات حاصل کرنے کی طرف نوجوانوں کی توجہ مبذول نہ کرائی جاتی، اس لیے کہ اُن کی تحصیل صحیح معنوں میں درسِ نظامیہ کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ہی کو زیب دیتی ہے۔

امیر سنی دعوتِ اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر نوری نے تقریباً دو سال پیشتر جامعہ حرا نجم العلوم کے قرب میں بعض علمائے نجمیین کی میٹنگ طلب فرما کر مذکورہ بالا دونوں ضرورتوں کو سامنے رکھ کر کام کرنے کا حکم فرمایا تھا پھر اس کے بعد مسلسل مختلف مواقع میں اس حوالے سے ارشادات سے نوازتے رہے اور آخر کار سنی دعوتِ اسلامی کے شعبۂ نشر واشاعت ''ادارۂ معارفِ اسلامی'' نے مندرجہ ذیل منصوبوں کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور آج یہ کتاب

آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

''معارفِ اصولِ حدیث'' کے تعلق سے یہ منصوبے بنائے گئے تھے:

(۱) یہ کتاب جس طرح مبلغین، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ و طالبات کے لیے معلوماتِ اصولِ حدیث کے حوالے سے مفید نصاب کی حیثیت رکھے، اسی طرح یہ طالبانِ علومِ نبویہ کے لیے اصولِ حدیث اور فن حدیث کی معلومات فراہم کرنے والی ایک بنیادی کتاب کی حیثیت سے بھی متعارف ہو۔

(۲) اصطلاحاتِ حدیث و اقسامِ حدیث کے علاوہ اصولِ حدیث سے متعلق دیگر مفید وضروری بحثوں کو بھی شامل کیا جائے۔

(۳) فقط اصطلاحاتِ حدیث و اقسامِ حدیث، ضرورت و حجیتِ حدیث، تدوین وترتیبِ حدیث کے دروس ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ فتاویٰ رضویہ شریف میں محدثِ جلیل سیدنا امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصولِ حدیث سے متعلق جو نادر و نایاب تحقیقات وافادے پیش فرمائے ہیں، انھیں بھی اس کتاب میں شامل کر دیا جائے تاکہ علماے حق کی سرپرستی میں جب سچی اور حقیقی معلومات مسلم نوجوانوں تک پہنچے تو نہ صرف یہ کہ وہ اغیار سے متأثر ہونے سے محفوظ ہو جائیں بلکہ اغیار کو متأثر کر کے مذہبِ باطل ترک کروا سکیں اور یہ سمجھا سکیں کہ کہاں کہاں احادیث طلب کی جانی چاہیے اور کون کون سی حدیث کس حوالے سے کافی و وافی ہے۔ نیز یہ باور کرا سکیں کہ صحیح حدیث کے علاوہ بھی دسیوں قسمیں ایسی ہیں جو مختلف ابواب میں مقبول و معتبر ہیں۔ (اسی مقصد کے تحت رضوی تحقیقات وافادات اس کتاب کے چوتھے حصے میں شامل کیے گئے ہیں۔)

(۴) مثالوں میں پیش کی گئی احادیث کا ترجمہ مع اعراب اور ان سے متعلق ضروری

توضیحات درج کی جائیں۔

یہ کتاب چار حصوں میں تقسیم کی گئی ہے:

حصہ اول:

مبادیاتِ فنِ حدیث (مثلاً حدیث کی اہمیت، حجیت وغیرہ) پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم:

ضروری اصطلاحات، متعدد اعتبار سے حدیث کی قسموں، ان کی مثالوں اور ان کے احکام پر مشتمل ہے۔

حصہ سوم:

اصولِ حدیث، اصحابِ حدیث اور کتبِ حدیث سے متعلق مفید اور ضروری معلومات پر مشتمل ہے۔

حصہ چہارم:

حدیث اور اصولِ حدیث سے متعلق کثیر رضوی افادات، توضیحات وتحقیقات پر مشتمل ہے جو کہ فتاویٰ رضویہ کی تقریباً پندرہ جلدوں سے ماخوذ ہیں۔

مولانا سید عمران حسینی نجمی (پرنسپل جامعہ حرا نجم العلوم، مہاپولی)، مولانا عبدالکریم نجمی (استاذ جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی)، مولانا اسرار نجمی، مولانا شاہد نجمی ومولوی سید سفیان نوری نے کتاب پر بالاستیعاب نظر کی اور کتاب کی ترتیب میں بھرپور تعاون کیا۔ جامعہ حرا نجم العلوم کے بعض طلبہ مولوی سید حامد رضوی اور غلام مصطفیٰ آغا نے کتاب کی کمپوزنگ اور حروف سازی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام معاونین کو جزاے خیر عطا فرمائے۔

یہ کتاب اہلِ علم ودانش کی نظر سے گزرے تو ان سے خصوصی گزارش ہے کہ اگر انھیں کتاب میں ترتیب، تسہیل، حروف سازی وغیرہ یا کسی بھی طرح کی کوئی کمی نظر آئے تو

ادارۂ معارفِ اسلامی کے ذمے داران کو اس سے آگاہ کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری اس کاوش کو مفیدِ عام بنائے۔

ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصے میں فقط تقسیمات اور اقسامِ حدیث بیان کیا ہے، اُن میں بھی حتّی الامکان فقط اقسام، ان کی مثالوں اور ان کے احکام پر اکتفا کیا ہے۔ اقسامِ حدیث سے متعلق ضروری ومفید بحثیں ہم نے حصۂ سوم میں رکھی ہے اور متعلقہ اقسام کے ذیل میں ان کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

دراصل ایسا اس لیے کیا گیا کہ جو لوگ فقط تقسیمات واقسامِ حدیث پڑھنا یا سمجھنا چاہتے ہوں وہ بحثوں کی طوالت کی وجہ سے اُکتاہٹ میں نہ پڑیں۔ جنھیں تفصیلی بحثوں کی ضرورت محسوس ہوگی وہ تیسرے حصے کا مطالعہ کرکے اپنی معلومات میں اضافہ کرلیں گے۔

جو لوگ اصول واقسامِ حدیث صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لیے ہمارا پُر خلوص مشورہ ہے کہ اصولِ حدیث پڑھانے والے عالمِ دین ہی سے پڑھ کر انھیں سمجھیں۔

مدارسِ اسلامیہ میں تین سے چار سال کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی طلبہ کی اس فن کی جانب رہنمائی کی جاتی ہے۔ لٰہذا عام فقہی مسائل کی طرح اسے نہ سمجھا جائے کہ ذاتی مطالعے سے ان کی معلومات حاصل ہوجائے گی۔

نیازمند: مرتبین

حصۂ اول

(مبادیاتِ فنّ حدیث)

حدیث کی ضرورت واہمیت

یہ بات ہر دین دار مسلمان کومعلوم ہے کہ دین کے اصول وفروع،عقائد واعمال سب کی بنیاد قرآن واحادیث ہیں۔اجماعِ اُمت اور قیاس کی بنیاد بھی قرآن وحدیث ہی پر رکھی جاتی ہے اور اجماع وقیاس بھی قرآن وحدیث کے فراہم کردہ اصول کے مطابق ہوں تبھی مقبول ہو سکتے ہیں۔جس طرح قرآن کے احکام پر ایمان لانا اور ان پر عمل پیرا ہونا لازم وضروری ہے اسی طرح حدیث کے احکام پر ایمان لانا اور ان پر عمل پیرا ہونا لازم وضروری ہوتا ہے۔احادیث کے انکار کے بعد قرآن پر ایمان کا دعویٰ محض دعویٰ بلا دلیل ہوگا۔اس لیے کہ قرآن مجید نے متعدد مقامات پر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔کہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا۔ارشاد ہے:

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ. (سورۂ نساء،آیت:۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بےشک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہی قرار دیا کہ ان کی اطاعت کی جائے۔فرمایا:

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ. (سورۂ نساء،آیت:۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔

جگہ جگہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔(سورۂ نساء،آیت:۵۹۔سورۂ مائدہ،آیت:۹۲۔سورۂ نور،آیت:۵۴۔سورۂ محمد،آیت:۳۳۔سورۂ تغابن،آیت:۱۲۔وغیرہ) کہیں فرمایا: جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑا کامیاب ہوا۔(سورۂ احزاب،آیت:۷۱) کہیں فرمایا: جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ضرور گم راہ ہوا۔(سورۂ احزاب،آیت:۳۶) کہیں فرمایا: مومن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملے

میں فیصلے کے لیے بلائیں تو بلا دریغ یہ کہے کہ ہم نے سنا اور مانا۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا. (سورۂ نور، آیت:۵۱)

ترجمہ: مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا۔

جن لوگوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم کرنے میں چوں و چرا کیا ان کے بارے میں صاف صاف فرما دیا کہ وہ مومن نہیں:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

(سورۂ نساء، آیت:۶۵)

ترجمہ: تو اے محبوب تمھارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمھیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم (فیصلہ) فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

یہاں تک کہ رسول کے پکارنے کو اللہ نے اپنا پکارنا قرار دیا۔ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (سورۂ انفال، آیت:۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمھیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔

رسول کی نافرمانی تو بڑی بات ہے، نافرمانی کی سرگوشی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ. (سورۂ مجادلہ، آیت:۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم جب آپس میں مشورت کروتو گناہ اور حد سے بڑھنے اور رسول کی نافرمانی کی مشورت نہ کرو۔

حتیٰ کہ رسول کی نافرمانی کو منافقین کا طریقہ بتایا۔ فرمایا:

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا. (سورۂ نساء، آیت:۶۱)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

یہاں تک کہ دوزخی دوزخ میں حسرت سے یہ کہیں گے:

یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا. (سورۂ احزاب، آیت:۶۶)

ترجمہ: ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

یہاں تک کہ رسول کے فیصلے کے بعد ایمان والوں کا یہ اختیار اللہ عزوجل نے چھین لیا کہ وہ مانیں یا نہ مانیں بلکہ انھیں سر تسلیم خم کرنا ہی ہے۔ ارشاد ہے:

وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا○

(سورۂ احزاب، آیت:۳۶)

ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انھیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا۔

قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کرو۔ قرآن مجید نے کس طرح:

☆ جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔

☆ اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی نافرمانی پر وعید ارشاد فرمائی۔

☆ رسول کے بلانے کو اللہ نے اپنا بلانا قرار دیا۔

☆ رسول کی نافرمانی کے لیے سرگوشی سے بھی منع فرمایا۔

☆ رسول کے فیصلے کو واجب التسلیم قرار دیا۔

☆ وہ بھی اس حد تک کہ جو رسول کا فیصلہ نہ مانے یا ماننے میں ذرّہ برابر بھی شک اور تردّد کرے وہ مومن نہیں۔

☆ رسول کے حکم سے روگردانی کو نفاق کی علامت قرار دیا۔

☆ رسول کے حکم کو اس درجہ واجب الاتباع قرار دیا کہ رسول حکم فرمادیں تو کسی مومن کو آپ کا حکم نہ ماننے کا اختیار نہیں۔

کیا یہ سب باتیں اس کی دلیل نہیں کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر حکم ماننا واجب ہے اسی طرح رسول کے بھی ہر فرمان پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کو صاف صاف سنا دیا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًاO اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًاO (سورۂ نسا، آیت:۱۵۱)

ترجمہ: وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے

ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر اور ہم نے کافروں کے لیے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو رسول کے احکام کو واجب الاتباع نہ ماننا ان آیتوں کے انکار کے قائم مقام ہوا اور قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا انکار یقیناً کفر ہے۔

بہت سے وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں واضح طور پر مذکور نہیں، صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے مثلاً:

(۱) اذان، قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں کہ نماز پنج گانہ کے لیے اذان دی جائے مگر اذان عہد رسالت سے لے کر آج تک اسلام کا شِعار رہی ہے اور رہے گی۔

(۲) نمازِ جنازہ کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم نہیں مگر یہ بھی فرض ہے۔اس کی بنیاد ارشادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی پر ہے۔

(۳) بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں مگر تحویلِ قبلہ سے پہلے یہی نماز کا قبلہ تھا یہ بھی صرف ارشاد رسول ہی سے تھا۔

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں مگر یہ بھی عبادت ہے اس کی بنیاد صرف ارشادِ رسول ہی ہے اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی۔ مثلاً ایک بار جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا، اسی اثنا میں ایک قافلہ آ گیا، کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے، اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ﹰانْفَضُّوْۤا اِلَیْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۠ (سورۂ جمعہ، آیت:۱۱)

ترجمہ: اور جب انھوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اس کی طرف چل دیے اور تمھیں خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے تم فرماؤ وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے

اور اللہ کا رزق سب سے اچھا ہے۔

یہ صرف اسی بنا پر ہے کہ قرآن کی طرح ارشاد رسول پر بھی اعتقاد وعمل واجب ہے، اس میں بھی کوتاہی کی وہی سزا ہے جو قرآن کے فرمودات میں کوتاہی کی ہے۔

خود غور کریں، ہمیں کیسے پتہ چلا کہ قرآن خدا کی کتاب ہے، اس کا ماننا واجب ہے؟ یقیناً جواب یہی ہوگا کہ ہمیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتانے سے پتہ چلا۔ اگر رسول کا قول ہی نا قابل قبول ہو جائے تو کتاب اللہ کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔

قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے مگر ان میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لیے مجمل اور مبہم ہیں مثلاً عبادات اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو لے لیجیے۔ قرآن مجید میں ان سب کا حکم ہے۔ مگر کیا قرآن مجید سے ان عبادات کی پوری تفصیل کوئی بتا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ قرآن نے عبادت کا حکم دیا اور حدیث سے عبادت کی کیفیت اور ہیئت کا پتہ چلا ہے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ. (صحیح بخاری، ناشر: دارطوق النجا، حصہ اول، ص: ۱۲۸)

ترجمہ: اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔

عبادات سے قطع نظر قرآنِ مجید کی بہت سی آیات وہ ہیں کہ اگر ان کی توضیح احادیث میں مذکور نہ ہوتی تو ان کا سمجھنا نہایت دشوار ہوتا۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا.

(سورۂ توبہ، آیت: ۴۰)

ترجمہ: اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے، جب وہ دونوں غار میں

تھے جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

احادیث سے قطع نظر کر کے کوئی بتا سکتا ہے کہ کافروں نے کیا شرارت کی تھی؟ رسول کو کہاں سے باہر تشریف لے جانا پڑا؟ یہ ساتھی کون تھے؟ یہ غار کون سا تھا؟ اور کیوں ساتھی کو تسلی تشفی دینے کی حاجت پیش آئی؟

اسی طرح ایک مقام پر فرمایا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ. (سورۂ توبہ، آیت:۲۵)

ترجمہ: بے شک اللہ نے بہت جگہ تمھاری مدد کی۔

یہ جگہیں کون کون سی ہیں صرف قرآن سے کوئی بتا سکتا ہے؟

یہاں مختصرًا صرف اِنھیں مثالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے ورنہ قرآن میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں کہ اگر احادیث میں ان کی توضیح نہ ہوتی تو ان کا ابہام کسی طرح دور ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے باوجود اس دور میں کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو حدیث کی ضرورت و اہمیت کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے تو پھر ہمیں حدیث کی کیا ضرورت؟ اپنے اس دعویٰ پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں آج احادیث کے جو دفاتر ملتے ہیں ان میں کوئی بھی نہ عہد نبوی میں مرتب ہوا، نہ عہد صحابہ میں، حتی کہ عہد تابعین میں بھی مرتب نہ ہوا۔ یہ سب دفاتر دوسری صدی، تیسری صدی اور اس کے بعد مدوّن کیے گئے ہیں۔ اتنی لمبی مدت تک لاکھوں لاکھ احادیث یاد رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں اور عجیب بات ہے کہ اکثر محدثین عجمی النسل ہیں۔ امام بخاری بخارا کے، امام مسلم نیشاپور کے، امام ترمذی ترمذ کے، امام ابوداؤد سجستان کے اور امام ابن ماجہ قزوین کے باشندے تھے۔

حدیث حجت ہے

قرآن مقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام احکام کوتفصیل کے ساتھ بیان نہیں فرمایا ہے بلکہ قرآن میں انسانی زندگی کے تمام احکام اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں۔جن کی تعبیر اورتشریح احادیثِ رسول کے بغیر نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے، کیوں کہ احادیثِ رسول قرآنی احکام کی تفسیر وتشریح کی حیثیت رکھتی ہیں۔مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، تیمّم ، حج اورعمرہ وغیرہ محض الفاظ ہیں،ان کے لغوی اورشرعی معنوں میں فرق ہے۔اگراحادیثِ رسول موجود نہ ہوتیں تو قرآن میں مذکوراس طرح کے الفاظ کے معانیِ شرعیہ کوسمجھنا اوران پرعمل کرنا ناممکن ہو جاتا۔اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضوررحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی کاحکم دیاہے۔ارشادفرمایا:

اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ.

ترجمہ:اللہ کاحکم مانواوررسول کاحکم مانو۔

اس معنٰی کی متعدد آیات موجود ہیں جن سے قیامت تک کے مسلمانوں پراحکامِ رسول کی اطاعت اورآپ کے افعال کی اتباع واجب ہونے کا ثبوت ملتاہےاور یہ بات کسی بھی صاحبِ عقل سے پوشیدہ نہیں ہے کہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کےافعال واقوال کےعلم کا ذریعۂ احادیثِ رسول ہی ہیں۔جس طرح حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے لیے ہدایت تھی اسی طرح احادیثِ رسول ہمارے لیےسرچشمۂ ہدایت ہیں۔اگراحادیث رسول کوہدایت کے لیےمعتبر نہ ماناجائےتوبندوں پراللہ کی حجت تام نہیں ہوگی،اس لیےکہ الفاظِ قرآنی کےمعانی اورمفاہیم کی صحیح تعیین اقوالِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی ہی میں کی جاسکتی ہے۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ.

ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد، نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انھیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے۔

جو لوگ احادیث کی حجیت کا انکار کرتے ہیں ان کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صرف قرآن کریم نازل فرمایا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی وحی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نہیں اُتری۔ قرآن کریم کی جو تفسیر یا احکامِ قرآنی کی جو تفصیل ہمیں احادیث کی کتابوں میں ملتی ہے یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتی رائے ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مخصوص حالات اور معاشرتی تقاضوں کی روشنی میں قرآن کو جس طرح سمجھا اسی طرح لوگوں کو بتا دیا۔ اب جب کہ چودہ صدیاں بیت چکی ہیں، انسانیت کا کارواں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے، زمانے کے تقاضے بالکل بدل گئے ہیں، ان بدلے ہوئے حالات میں قرآنِ کریم کو ایک مخصوص زمانے کی فضا میں سمجھے ہوئے مفہوم کی قید میں رکھ دینا قرآن پر بڑا ظلم ہے کہ اس ترقّی یافتہ سائنسی دور میں قرآنِ کریم کی اس تفسیر کی پابندی لازمی قرار دی جائے اور اس طرح قوم کی ترقی کے سامنے رُکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے جائیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

قرآنِ مقدس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک چھوٹی سی آیت نازل فرما کر اعتراض کے ان پہلوؤں کا سدّ باب کر دیا۔ وہ آیت یہ ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ.

مطلب یہ ہے کہ جو کلام آپ پر نازل کیا جا رہا ہے اس کا یاد کرا دینا اور اسے آپ

کے سینۂ پُر نور میں جمع کر دینا بھی ہمارا ہی کام ہے اور اس کا بیان بھی ہمارے ہی ذمّے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام، ارشادات کے مفاہیم اور مدّ عا کو پوری طرح سمجھا دینا بھی ہماری ذمّے داری ہے، یہ آپ کے صواب دید اور اجتہاد پر موقوف نہیں۔

جب قرآن اور قرآن کا بیان (یعنی احادیثِ مبارکہ) دونوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہیں تو دونوں کا اتباع ہر مومن پر لازم ہوگا اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ ایک کو تو واجب العمل قرار دے اور دوسرے کو ساقط العمل۔

ان کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ''ثُـمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ'' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ایک حکم ایک جگہ اجمالی طور پر مذکور ہے اور دوسری آیت میں اس کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ یہی وہ بیانِ قرآن ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسے وہ تفسیر القرآن بالقرآن کی رُعب دار اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم ان سے یہ کہیں گے کہ وہ قرآن کی کسی آیت سے حج کرنے کا طریقہ ہمیں سمجھا دیں، ہم ان کی قرآن فہمی کی داد دیں گے۔ اگر وہ لوگ سنت کی روشنی کے بغیر حج ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کریں گے تو نہ انھیں نویں ذی الحجہ کا تعین ملے گا، نہ طواف کا طریقہ، نہ احرام کی تفصیلات اور نہ ہی دیگر احکامِ حج کا انھیں صحیح علم ہوگا۔

(ملخصًا از تفسیر ضیاء القرآن، ناشر: اعتقاد پبلکیشنز دہلی، جلد پنجم، ص:۴۳۳-۴۳۴)

عہدِ رسالت میں حفاظتِ حدیث

اس زمانے میں کچھ لوگ حدیث کو قبول کرنے اور اسے حجت ماننے سے انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ دوسری صدی سے پہلے احادیث لکھی نہیں گئیں صرف زبانی یادداشت پر اعتماد رہا اور کتابوں کی تدوین کا کام عہد رسالت سے ڈھائی سو سال کے بعد جاری ہوا اس لیے کتابوں میں بیان کردہ احادیث قابلِ اعتبار و استدلال نہیں ہیں۔اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ احادیث کی کتابت کے تدوین کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہو گیا تھا اور ہر دور میں تسلسل کے ساتھ جاری رہا تو ان کے دعوے کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا اس لیے ہم پہلے یہ بتانا چاہیں گے کہ کتابتِ حدیث کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ وَ اَنَا مَعَهُمْ وَ اَنَا اَصْغَرُ الْقَوْمِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. فَلَمَّا خَرَجَ الْقَوْمُ قُلْتُ: كَيْفَ تُحَدِّثُوْنَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ قَدْ سَمِعْتُمْ مَا قَالَ؟ وَ اَنْتُمْ تَتَهَمَّكُوْنَ فِي الْحَدِيْثِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ؟ قَالَ: فَضَحِكُوْا وَ قَالُوْا: يَا ابْنَ اَخِيْنَا اِنَّ كُلَّ مَا سَمِعْنَا عِنْدَنَا فِي الْكِتَابِ.

(المعجم الکبیر للطبرانی، حصہ سیزدہم، ص:۴۳۲)

ترجمہ: خدمت اقدس میں کچھ صحابہ حاضر تھے، میں بھی تھا، میں سب سے کم عمر تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں

بنالے۔ پھر جب لوگ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا ہے اس کے باوجود اتنی کثرت سے آپ لوگ کیسے حدیثیں بیان کرتے ہیں؟ ان حضرات نے ہنس کر فرمایا: اے بھتیجے! جو کچھ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنتے ہیں وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

بَیْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ نَکْتُبُ.

(سنن الدارمی، ناشر: دارالمغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ، حصہ اول، ص:۴۳۰)

ترجمہ: اس وقت کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے لکھ رہے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عام طور پر کچھ صحابہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی کی کتابت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس سے ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہوگئی تھی جس کا نام انہوں نے ''صادقہ'' رکھا تھا، یہ کتاب انہیں اس قدر عزیز تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

مَا یُرَغِّبُنِیْ فِیْ الْحَیَاۃِ اِلَّا الصَّادِقَۃُ وَ الْوَھْطُ.

مجھے دو چیزیں جینے میں رغبت دلاتی ہیں ''صادقہ'' اور ''وہط''۔

پھر خود ہی ان دونوں چیزوں کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

فَاَمَّا الصَّادِقَۃُ فَصَحِیْفَۃٌ کَتَبْتُھَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَمَّا الْوَھْطُ فَاَرْضٌ تَصَدَّقَ بِھَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ یَقُوْمُ عَلَیْھَا.

(سنن الدارمی، ناشر: دارالمغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ ج:۱ص:۴۳۶)

ترجمہ: صادقہ وہ صحیفہ ہے جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے اور وھط وہ زمین ہے جس کو (والد بزرگوار) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں وقف کیا تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا اور شعیب سے اس نسخہ کو ان کے صاحبزادے عمرو روایت کرتے ہیں چنانچہ حدیث کی کتابوں میں **عمرو بن شُعیب عن ابیه عن جده** کے سلسلہ سے جتنی روایتیں منقول ہیں، وہ سب صحیفہ ''صادقہ'' ہی کی حدیثیں ہیں، شعیب کے والد محمد کا انتقال اپنے باپ کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا، اس لیے پوتے کی تمام تر تربیت دادا ہی کے ظل عاطفت میں ہوئی تھی، البتہ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعیب نے ''صادقہ'' کا نسخہ دادا سے پڑھا تھا یا نہیں، بعض محدثین نے اسی بنا پر ان روایات کے اتصال پر بھی کلام کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی ''تہذیب التہذیب'' میں عمرو بن شعیب کے ترجمہ میں یحییٰ بن معین سے ناقل ہیں کہ:

هُوَ ثِقَةٌ فِيْ نَفْسِهٖ وَ مَا رَوَى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ لَا حُجَّةَ فِيْهِ وَ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ وَّ ضَعِيْفٌ مِّنْ قَبِيْلِ اَنَّهٗ مُرْسَلٌ وَجَدَ شُعَيْبٌ كُتُبَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَكَانَ يَرْوِيْهَا عَنْ جَدِّهٖ اِرْسَالًا وَ هِيَ صِحَاحٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو غَيْرَ اَنَّهٗ لَمْ يَسْمَعْهَا.

(تہذیب التہذیب ناشر: مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند ج:۸ ص:۵۴)

یہ خود تو ثقہ ہیں اور جو روایت یہ اپنے باپ شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں وہ حجت نہیں، غیر متصل ہے اور مرسَل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، شعیب کو عبداللہ بن عمرو کی کتابیں ملی تھیں چنانچہ وہ ان کو اپنے دادا سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، یہ روایتیں اگرچہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے صحیح ہیں، لیکن ان کو

شعیب نے سنا نہیں تھا۔

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قُلْتُ فَاِذَا شَهِدَ لَهُ ابْنُ مَعِيْنٍ اَنَّ اَحَادِيْثَهُ صِحَاحٌ غَيْرَ اَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْهَا وَ صَحَّ سِمَاعُهُ لِبَعْضِهَا فَغَايَةُ الْبَاقِيْ اَنْ يَّكُوْنَ وِجَادَةً صَحِيْحَةً وَّ هُوَ اَحَدُ وُجُوْهِ التَّحَمُّلِ.

(تہذیب التہذیب ناشر: مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند ج:۸ ص:۵۴)

میں کہتا ہوں جب کہ ابن معین اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کی حدیثیں تو صحیح ہیں مگر ان کو شعیب نے سنا نہیں ہے اور بعض حدیثوں کا سماع صحت کو پہنچ چکا ہے، تو بقیہ احادیث کی روایت زیادہ سے زیادہ ''وجادۂ صحیحہ'' سے ہوگی اور یہ بھی اخذ علم کا ایک طریقہ ہے۔

اور امام ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں:

وَ مَنْ تَكَلَّمَ فِيْ حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ اِنَّمَا ضَعَّفَهُ لِاَنَّهُ يُحَدِّثُ عَنْ صَحِيْفَةِ جَدِّهِ كَاَنَّهُمْ رَاَوْا اَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثَ مِنْ جَدِّهِ.

(سنن الترمذی، ناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ج:۲ ص:۱۳۹)

اور جس نے بھی عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے سو محض اس بنا پر اس کی تضعیف کی ہے کہ وہ اپنے دادا کے صحیفہ سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، گویا ان لوگوں کی یہ رائے ہے کہ انہوں نے ان حدیثوں کو اپنے دادا سے نہیں سنا تھا۔

لیکن اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی ان حدیثوں کو حجت مانتے اور صحیح سمجھتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی اسی عبارت سے ذرا پہلے امام بخاری کا قول نقل کرتے ہیں:

رَاَیْتُ اَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ وَذَكَرَ غَیْرَهُمَا یَحْتَجُّونَ بِحَدِیثِ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ.

(سنن الترمذی، ناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ج:۲ص:۱۳۹)

میں نے احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، اور ان دونوں کے علاوہ اور محدثین کا ذکر کیا کہ ان سب کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت مانتے تھے۔

اور باب ماجاء فی زکوٰۃ مال الیتیم میں لکھتے ہیں:

وَاَمَّا اَكْثَرُ اَهْلِ الْحَدِیْثِ فَیَحْتَجُّوْنَ بِحَدِیْثِ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ وَیُثْبِتُوْنَهُ مِنْهُمْ اَحْمَدُ وَ اِسْحَاقُ وَغَیْرُهُمَا.

(سنن الترمذی، ناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ج:۳ص:۲۳)

اور رہے اکثر اہلِ حدیث (محدثین) تو وہ عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کرتے اور اسے ثابت مانتے ہیں جن میں امام احمد و اسحٰق اور دیگر محدثینِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

احادیث کا ایک مجموعہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی لکھا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ اَنَسٌ اِذَا حَدَّثَ فَكَثُرَ النَّاسُ عَلَیْهِ الْحَدِیث جَاءَ بِمَجَالٍ لَهُ فَاَلْقَاهَا اِلَیْهِمْ ثُمَّ قَالَ: هٰذِهِ اَحَادِیثُ سَمِعْتُهَا وَ كَتَبْتُهَا عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ ثُمَّ عَرَضْتُهَا عَلَیْهِ.

(المدخل الی السنن الکبری للبیہقی، ناشر: دار الخلفاء کویت، حصہ اول، ص:۴۱۵)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث بیان کرتے تھے جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو وہ کتابوں کا صحیفہ لے کر آئے اور لوگوں کے سامنے رکھ کر فرمایا: یہ وہ احادیث

ہیں جنھیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی ہیں اور آپ کو پڑھ کر سنا بھی دی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی احادیث لکھوائی تھیں۔ یہ ذخیرہ ان کے صاحبزادے کے پاس تھا، چنانچہ حافظ ابن عبد البر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''جامع بیان العلم''میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ''نبیرہ معن بن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

اَخْرَجَ اِلَیَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ كِتَاباً وَّحَلَفَ لِیْ اَنَّهٗ مِنْ خَطِّ اَبِیْهِ بِیَدِهٖ.

(جامع بیان العلم وفضلہ، ناشر: دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ج:۱ص:۳۱۱)

ترجمہ: (والدِ محترم) عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک کتاب میرے سامنے نکال کر لائے اور قسم کھا کر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ ابا جان کی اپنے ہاتھ سے لکھی کتاب ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کتاب میں احادیث جمع فرمائی تھیں جس کا نام ہی ''کتاب سعد بن عبادۃ'' تھا۔ یہ کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں رہی، اس کا پتہ اس حدیث سے چلتا ہے جسے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ''مسند'' میں حضرت عمرو بن قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ ہیں:

''اَنَّهُمْ وَجَدُوْا فِیْ كُتُبِ اَوْ فِیْ كِتَابِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ''

(مسند احمد ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، ج:۳۷ص:۱۲۵)

یعنی انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابوں یا کتاب میں پایا۔

اسی طرح ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صحائف کا ذکر بھی ملتا ہے۔

الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع میں یہ روایت مذکور ہے، حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا خَرَجَ اِلَی السُّوقِ نَظَرَ فِی کُتُبِہٖ قَالَ عَمَّارٌ: قُلْتُ لِعَلِیٍّ فِی الْحَدِیثِ قَالَ: نَعَمْ.

(ناشر: مکتبۃ المعارف ریاض، حصہ دوم، ص:۱۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ جب بازار جاتے تو اپنی کتابوں پر ایک نظر ڈال لیا کرتے۔ حضرت عمار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی سے پوچھا: یہ کتابیں حدیث کی تھیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

گذشتہ حدیث میں لفظ نَحْنُ نَکْتُبُ سے اشارہ ملتا ہے کہ اس خدمت کو ایک جماعت انجام دیتی تھی۔ اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے احکام ومسائل کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ خود حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائے۔

(۱) سنہ ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق اور مکّہ کی حرمت کے مسائل بیان فرمائے، اس پر یمن کے ایک باشندے نے خواہش ظاہر کی یہ احکام لکھوا کر عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اُکْتُبُوْہُ لِاَبِیْ شَاہٍ. (ترجمہ) یہ احکام ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔ (صحیح بخاری، ناشر: دارطوق النجا، حصہ سوم، ص:۱۲۵)

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ جہینہ کے پاس مردہ جانوروں کے احکام لکھوا کر بھجوائے۔ (سنن ابوداؤد، ناشر: المکتبۃ العصریۃ بیروت، حصہ چہارم، ص:۶۷)

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰہ سے متعلق مسائل ایک جگہ لکھوائے تھے جس کا نام ''کتاب الصدقہ'' تھا مگر عُمّال وحُکّام تک اسے روانہ نہ فرما سکے اور پردہ فرما گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد میں اسی کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم جاری کیا اور اسی کے مطابق وصولی ہوتی تھی۔ (ایضا، حصہ دوم، ص:۹۸)

(۴) حافظ ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم واہلہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

وَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَاتِ وَالدِّيَاتِ وَالْفَرَائِضِ وَالسُّنَنِ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَغَيْرِهٖ.

(جامع بیان العلم وفضلہ، ناشر: دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ج:۱ص:۳۰۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم وغیرہ کے لیے صدقات، دیات، فرائض اور سنن کے متعلق ایک کتاب تحریر کروائی تھی۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ر ہجری میں اہل نجران کے پاس عامل بنا کر بھیجا تھا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی یہ نوشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے یمن جانے کے وقت ان کے حوالے کیا تھا، سنن نسائی میں ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلَى اَهْلِ الْيَمَنِ بِكِتَابٍ فِيهِ الْفَرَائِضُ وَالسُّنَنُ وَالدِّيَاتُ وَبَعَثَ بِهٖ مَعَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقُرِئَ عَلَى اَهْلِ الْيَمَنِ.

(سنن النسائی، ناشر: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ج:۸ص:۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف ایک نوشتہ تحریر کیا تھا جس میں فرائض، سنن، اور خون بہا کے احکام تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نوشتہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا تھا، چنانچہ وہ اہل یمن کے سامنے پڑھا گیا۔

اس کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى شُرَحْبِيْلَ بْنِ عَبْدِ

كُلَالٍ وَّنُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ وَالْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ قَيْلِ ذِي رُعَيْنٍ وَّمَعَافِرَ وَهَمْدَانَ اَمَّا بَعْدُ.

(سنن النسائی، ناشر: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ج:۸ص:۵۷)

اور کتاب الجراح کی ابتداء میں یہ تحریر تھا:

هٰذَا بَيَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ "يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اَوْفُوا بِالْعُقُودِ (المائدۃ: ۱) فَتَلَا مِنْهَا اٰيَاتٍ ثُمَّ قَالَ فِي النَّفْسِ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ.

(سنن النسائی، ناشر: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ج:۸ص:۵۹)

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس موجود تھی وہ یہ کتاب میرے پاس بھی لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا تھا۔

(سنن النسائی، ناشر: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، ج:۸ص:۵۹)

حافظ ابن کثیر اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

فَهٰذَا الْكِتَابُ مُتَدَاوِلٌ بَيْنَ اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ قَدِيْماً وَّ حَدِيْثاً يَّعْتَمِدُوْنَ عَلَيْهِ وَ يَفْزَعُوْنَ فِيْ مُهِمَّاتِ هٰذَا الْبَابِ اِلَيْهِ كَمَا قَالَ يَعْقُوْبُ بْنُ سُفْيَانَ لَا اَعْلَمُ فِيْ جَمِيْعِ الْكُتُبِ كِتَاباً اَصَحَّ مِنْ كَتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ وَ يَدَعُوْنَ اٰرَا ئَهُمْ.

(توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت ج:۲ص:۲۱۴)

یہ کتاب عہد قدیم وعہد جدید دونوں میں ائمہ اسلام کے مابین متداول رہی ہے جس پر وہ اعتماد کرتے اور اس باب کے اہم مسائل میں رجوع کرتے رہے ہیں، چنانچہ

یعقوب بن سفیان کا بیان ہے کہ میرے علم میں تمام کتابوں میں کوئی کتاب عمرو بن حزم کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس کی طرف رجوع کرتے اور اپنی رایوں کو چھوڑ دیتے تھے۔

چنانچہ حسب تصریح حافظ ابن کثیر، سعید بن مسیّب سے صحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کی دِیَت کے بارے میں اسی کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے زکوٰۃ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر کو معلوم کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ میں اپنا آدمی روانہ کیا تھا، جس کو ایک تحریر تو آل عمرو بن حزم کے پاس ملی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو صدقات کے بارے میں لکھوائی تھی اور دوسری آل عمران بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس دستیاب ہوئی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں اپنے تمام عمال کے نام لکھی تھی، ان دونوں نوشتوں کا مضمون واحد تھا، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے تمام عمال اور ولاۃ کے نام فرمان جاری کر دیا کہ جو کچھ ان دونوں کتابوں میں تحریر ہے، اسی کے مطابق عمل درآمد کیا جائے۔

(سنن الدار قطنی، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ج:۳ص:۲۰)

(۵) معاہدات کی تحریریں مثلاً صلح حدیبیہ وغیرہ۔

(۶) عہد رسالت کے تحریری نوشتوں میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صحیفہ بھی تھا، جس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ:

مَا كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ. (صحیح البخاری، ناشر: دار طوق النجاۃ، ج:۴ص:۱۰۲)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوائے قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں

درج ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا۔

یہ صحیفہ چمڑے کے ایک تھیلے میں تھا، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار مع نیام کے رکھی رہتی تھی۔

(صحیح مسلم ناشر: دار احیاء التراث العربی بیروت، ج:۳ص:۱۵۶۷)

یہ وہ صحیفہ ہے جس کے متعلق صحیح بخاری میں آپ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ سے مذکور ہے کہ:

اَرْسَلَنِیْ اَبِیْ خُذْ هٰذَا الْکِتَابَ فَاذْهَبْ بِهٖ اِلَی عُثْمَانَ فَاِنَّ فِیْهِ اَمْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ الصَّدَقَةِ.

(صحیح البخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، ج:۴ص:۸۳)

مجھ کو میرے والد نے بھیجا کہ اس کتاب کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ کیونکہ اس میں زکوٰۃ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام درج ہیں۔

اس صحیفہ میں زکوٰۃ کے علاوہ خون بہا، اسیروں کی رہائی، کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کرنا، حرم مدینہ کے حدود اور اس کی حرمت، غیر کی طرف انتساب کی ممانعت، نقضِ عہد کی برائی، غیر کے لیے ذبح کرنے پر وعید اور زمین کے نشانات مٹانے کی مذمت وغیرہ بہت سے احکام ومسائل درج تھے، حدیث کی اکثر کتابوں میں اس صحیفہ کی روایتیں موجود ہیں، خود امام بخاری نے بھی حسب ذیل ابواب میں اس صحیفہ کی مذکورہ بالا روایت نقل کی ہے:

(۱) بابة کتاب العلم (۲) باب حرم المدینة (۳)باب فکاک الاسیر (۴) باب ذمة المسلمین وجوارهم واحدة یسعی بها ادناهم (۵)باب اثم من عاهد ثم غدر (۶)باب اثم من تبرا من موالیه (۷)باب العاقلة (۸)باب لایقتل المسلم بالکافر. (۹)باب مایکره من التعمق

والتنازع فی العلم والغلو فی الدین.

صحیح بخاری میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا تو آپ کی تلوار کے ساتھ یہ صحیفہ آویزاں تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے اور جو کچھ اس صحیفے میں مرقوم ہے، اس کے علاوہ کوئی نوشتہ نہیں کہ جو پڑھا جا سکے، اس کے بعد آپ نے اس صحیفہ کو کھولا اور لوگوں کو اس کے مسائل پر اطلاع ہوئی۔

(صحیح البخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، ج:۹ص:۹۷)

(۷) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا: تم نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ لکھ کر بھیج دو۔ چناں چہ انھوں نے کچھ احادیث لکھوا کر بھیجیں۔ (صحیح بخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، حصہ دوم، ص:۱۲۴)

یہ چند مثالیں تھیں، ان کے علاوہ مثالوں سے سنن و آثار کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ یہاں اختصاراً انھی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

ایک شبہے کا ازالہ

کچھ لوگوں کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا تَکْتُبُوْا عَنِّی وَ مَنْ کَتَبَ عَنِّی غَیْرَ الْقُرْاٰنِ فَلْیَمْحُهُ. (صحیح مسلم، ناشر: دار احیاء التراث العربی، حصہ چہارم، ص:۲۲۹۸) ترجمہ: قرآن کے علاوہ میری کوئی حدیث نہ لکھو اور جس نے بھی لکھا ہے وہ اسے مٹا دے۔

اولاً: علما کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے فرمایا ہے: درحقیقت یہ حضرت ابوسعید پر موقوف ہے۔ یعنی ارشاد رسول نہیں، انھیں کا قول ہے۔

ثانیاً: علامہ ابن حجر وغیرہ نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے یعنی جب قرآن نازل ہو رہا

ہو یا جب میں قرآنی آیات لکھوارہاہوں تو اس وقت صرف قرآن ہی لکھو۔

(۲) حدیث وقرآن کو ایک ہی چیز پر مت لکھو۔ ان دونوں صورتوں میں قرآن کا حدیث کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ قوی تھا۔

(۳) ممانعت کا حکم مقدم ہے۔یعنی بالکل ابتدائی دور میں تھا بعد میں جب قرآن کے ساتھ احادیث کے التباس کا خطرہ نہ رہا تب احادیث لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

(۴) اس کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہ لکھ لیں گے تو زبانی یاد نہ رکھیں گے۔ صرف کتاب کے بھروسے پر رہ جائیں گے اس لیے انھیں احادیث لکھنے سے منع فرمایا اور جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہ تھا بلکہ اطمینان تھا کہ وہ لکھیں گے تو بھی زبانی یاد رکھیں گے انھیں لکھنے کی اجازت دے دی۔

(فتح الباری شرح صحیح بخاری، ناشر: دارالمعرفۃ بیروت، حصہ اول،ص:۲۰۸)

عہد صحابہ میں حفاظتِ حدیث

یہ صحیح ہے کہ کچھ صحابہ اور کچھ تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین احادیث لکھنے کو ناپسند کرتے تھے کہ جیسے ہم نے زبانی سن کر یاد کیا ہے اسی طرح دوسرے لوگ بھی صرف زبانی یاد رکھیں مگر یہ بات عام صحابہ میں نہ تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علم لکھ کر مقید کرلو۔ (سنن دارمی، ناشر: دارالمغنی سعودی عربیہ، حصہ اول، ص: ۴۳۷)

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے ایک طویل حدیث بیان کی، مجھے بہت اچھی لگی، میں نے اپنے بیٹے سے کہا اسے لکھ لو تو اس نے اسے لکھ لیا۔ (صحیح مسلم، ناشر: دار احیاء التراث العربی بیروت، حصہ اول، ص: ۶۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی احادیث لکھوا کر یا خود لکھ کر محفوظ کر دیا تھا۔ حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور احادیث کی متعدد کتابیں دکھا کر کہا: دیکھو یہ سب میرے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، ناشر: دارالمعرفۃ بیروت، حصہ اول، ص: ۲۰۷)

سنن دارمی میں بشیر بن نہیک سدوسی سے جو مشہور تابعی ہیں منقول ہے کہ:

''كُنْتُ اَكْتُبُ مَا اَسْمَعُ مِنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا اَرَدْتُّ اَنْ اُفَارِقَهُ اَتَیْتُهُ بِكِتَابِهٖ فَقَرَاْتُهُ عَلَیْهِ وَقُلْتُ لَهٗ هٰذَا سَمِعْتُ مِنْکَ؟ قَالَ نَعَمْ''

(سنن الدارمی، ناشر: دارالمغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ، حصہ اول، ص: ۴۳۵)

ترجمہ: میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیثیں سنتا، لکھ لیتا تھا، پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا اور پھر ان سے عرض کیا کہ یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو

میں نے آپ سے سنی ہیں؟ فرمانے لگے ہاں!

امام ترمذی نے بھی کتاب العلل میں اس واقعہ کو بالاختصار نقل کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات سے ایک صحیفہ حضرت ہمام بن منبہ یمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مرتب کیا تھا، اس میں ایک سو چالیس کے قریب احادیث مذکور ہیں، یہ پورا صحیفہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند میں یکجا روایت کیا ہے، صحیحین میں بھی اس صحیفہ کی روایتیں متفق طور پر موجود ہیں، حافظ ابن حجر نے اس صحیفہ کے متعلق ابن خزیمہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ ''صَحِيْفَةُ هُمَّامٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مَشْهُوْرَةٌ'' یعنی حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صحیفہ لکھا ہے وہ مشہور ہے۔

(تہذیب التہذیب ناشر: مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند ج:۱ص:۳۱۶)

(۳) حضرت ابان مشہور تابعی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ساگوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ (سنن دارمی، ناشر: دار المغنی سعودی عربیہ، حصہ اول، ص:۴۳۳)

(۴) سنن دارمی میں سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مشہور ائمہ تابعین میں سے ہیں مروی ہے کہ:

كُنْتُ اَكْتُبُ عِنْدَ ابْنَ عَبَّاسٍ فِىْ صَحِيْفَةٍ.

(سنن دارمی، ناشر: دار المغنی سعودی عربیہ، حصہ اول، ص:۴۳۸)

ترجمہ: میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا صحیفہ میں لکھتا رہتا تھا۔

دارمی میں مذکور ہے کہ میں رات کو مکۂ معظّمہ کے راستے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہمسفر ہوتا وہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتے تو پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تاکہ صبح کو پھر اسے نقل کرسکوں، سنن دارمی ہی میں ان کا بیان بھی مذکور ہے کہ میں حضرت عبد

اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے رات کو حدیث سنتا تو پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا۔

(سنن دارمی، ناشر: دار المغنی سعودی عربیہ، حصہ اول، ص:۴۳۶)

(۵) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی احادیث عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ لیا تھا۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب البغدادی، ناشر: المکتبۃ العلمیۃ -المدینۃ المنورۃ، ج:ا ص:۲۰۵)

(۶) حضرت ابن عباس کی مرویات کو ان کے تلمیذ حضرت کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا چنانچہ طبقات الکبریٰ میں حضرت ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہاں کہ کریب بن ابی مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اونٹ کے بوجھ کے برابر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابیں ہمارے پاس رکھوائیں تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج:۵ ص:۲۲۴)

عہد تابعین میں حفاظتِ حدیث

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں کتابت حدیث کا جو بھی کام ہوا وہ انفرادی طور پر اپنے شوق وذوق کے مطابق ہوا، پھران صحائف میں کوئی ترتیب بھی نہیں تھی۔اس اہم وبنیادی کام پر سب سے پہلے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ گئی اور آپ نے باقاعدہ تدوین احادیث کے لیے وقت کے ممتاز افراد کو مقرر فرمایا۔مثلاً حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم، قاضیِ مدینہ حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر، حضرت محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری، سعد بن ابراہیم وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔اسی دور میں حضرت ربیع بن صبیح، حضرت سعد بن عروبہ اور حضرت شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی احادیث کی تدوین شروع کردی تھی۔

چناں چہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مختلف دیار اور امصار سے احادیث کے لکھے ہوئے دفتر کے دفتر جمع کیے اور انھیں امام زہری کے حوالے کیا کہ انھیں سلیقے سے مرتب کریں۔ (تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبۃ، حصہ اول،ص:۹۴)

حضرت عبد اللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضیِ مدینہ حضرت ابوبکر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خط لکھا کہ احادیث رسول اور احادیث عمرہ (بنت عبد الرحمٰن) جمع کرو اور لکھ کر میرے پاس بھیجو کیوں کہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علما کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔

(سنن الدارمی، ناشر: دار المغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ، حصہ اول،ص:۴۳۰)

اسی طرح بخاری شریف میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خط لکھا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث جمع کر کے لکھ لو اس لیے کہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علما کے چلے جانے کا خوف ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کرو۔ علم پھیلاؤ اور علمی مجلسیں قائم کرو تا کہ جو نہیں جانتا ہے وہ سیکھے اس لیے کہ علم اس وقت تک ضائع نہ ہوگا جب تک اسے راز نہ بنالیا جائے۔

(صحیح بخاری، ناشر: دار طوق النجا، حصہ اول، ص:۳۱)

احادیث میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لیے کہ ان سے فقہ و عقائد کے بنیادی مسائل مروی ہیں۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی احادیث جمع کرنے کا زیادہ اہتمام کیا تھا۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خاص اپنی آغوش کرم میں پالا تھا، یہ بہت ذہین تھیں، تمام علما کا اس پر اتفاق ہے کہ احادیث عائشہ کی یہ سب سے بڑی حافظہ تھیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی ابوبکر بن عمرو بن حزم کو خاص ہدایت کی کہ عمرہ کے بیان کردہ مسائل اور روایات تحریر کر کے بھیجی جائیں۔

حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاذ تھے، جب یہ فرمان آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کرائے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ انھیں خلیفہ کی بارگاہ میں بھیجیں گے لیکن ابھی بھیجنے نہیں پائے تھے کہ ۱۰۱ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو گیا۔

ابوبکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) جو کہ امامِ زُہری کے نام سے متعارف ہیں، کے تعلق سے مشہور محدّث حضرت ابو الزناد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَطُوْفُ مَعَ الزُّهْرِيِّ عَلَى الْعُلَمَاءِ وَ مَعَهُ الْاَلْوَاحُ وَ الصُّحُفُ

یَکْتُبُ کُلَّمَا سَمِعَ.

(تذکرۃ الحفاظ، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ج:اص:۸۳)

ترجمہ: ہم حضرت امام زُہری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علما کے پاس جایا کرتے تھے، وہ اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لیے رہتے، محدثین سے جو کچھ سنتے لکھ لیتے۔

حضرت صالح بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرا اور حضرت زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانۂ طالب علمی ایک ہی تھا۔ حضرت زہری نے مجھ سے کہا: آؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں۔ چناں چہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں۔ پھر انھوں نے کہا: آؤ صحابہ کے فرامین لکھیں اس لیے کہ وہ بھی حدیثیں ہیں۔ میں نے کہا: میں انھیں حدیث نہیں مانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں، وہ بھی حدیث ہیں، آپ نے لکھ لیا اور میں نے نہیں لکھا۔ (کنز العمال، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، حصہ دہم، ص:۲۹۱)

حضرت معمر کا کہنا ہے کہ امام زہری کی لکھی ہوئی احادیث کے ذخیرے کئی اونٹوں پر لا دے گئے۔ امام زہری اس وقت کے اَعلمِ علما تھے، حدیث وفقہ میں ان کے مثل کوئی نہ تھا، تمام بڑے محدثین یہاں تک کہ اصحاب ستہ یعنی امام بخاری وغیرہ کے بھی شیخ الشیوخ تھے۔ آپ نے احادیث اس لگن اور محنت سے جمع کیں کہ مدینۂ طیبہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جا جا کر مرد، عورت، بچے، بوڑھے جو مل جاتا اس سے حتیٰ کہ پردہ نشیں عورتوں سے بھی پوچھ پوچھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال واقوال سنتے اور لکھتے۔ ان کی تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد روایات اور احادیث کے صحائف ولید کے کتب خانے سے منتقل کیے گئے تو صرف امام زہری کی مرویات وتصانیف کئی گھوڑوں اور کئی گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام مالک کی تصریح نقل کی ہے:

اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْعِلْمَ اِبْنُ شِهَابٍ.

(جامع بیان العلم وفضلہ ناشر: دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ج:۱ص:۳۳۱)

ترجمہ: سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا، وہ ابن شہاب (زہری) ہیں۔

مدینہ کے ایک اور امام عبدالعزیز دراوردی بھی امام موصوف کے معاصر ہیں، یہی فرماتے ہیں کہ:

اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ الْعِلْمَ وَ كَتَبَهُ ابْنُ شِهَابٍ.

(جامع بیان العلم وفضلہ ناشر: دار ابن الجوزی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ج:۱ص:۳۲۰)

ترجمہ: سب سے پہلے جس نے علم مدوّن کیا اور اسے لکھا حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

فَصَنَّفَ الْاِمَامُ مَالِكٌ الْمُوَطَّا وَتَوَخّٰى فِيْهِ الْقَوِيَّ مِنْ حَدِيْثِ اَهْلِ الْحِجَازِ وَمَزَجَهُ بِاَقْوَالِ الصَّحَابَةِ وَفَتَاوٰى التَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ.

(فتح الباری لابن حجر، ناشر: دار المعرفۃ، بیروت ج:۱ص:۶)

ترجمہ: پھر امام مالک نے مؤطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین وعلماء مابعد کے فتاوے کو بھی درج کیا۔

مؤطا کو امت میں جو قبول عام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، حافظ ذہبی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ:

وَاِنَّ لِلْمُوَطَّا لَوَقْعاً فِي النُّفُوْسِ وَمَهَابَةً فِي الْقُلُوْبِ لاَ يُوَازِنُهَا شَيْءٌ.

(سیر اعلام النبلاء ناشر: دار الحدیث، القاھرۃ، ج:۱۳ص:۳۸۲)

ترجمہ: بلا شبہ مؤطا کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی۔

حافظ ابن حبان، کتاب الثقات میں لکھتے ہیں:

كَانَ مَالِكٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَوَّلَ مَنِ انْتَقَى الرِّجَالَ مِنَ الْفُقَهَاءِ بِالْمَدِيْنَةِ وَاَعْرَضَ عَمَّنْ لَيْسَ بِثِقَةٍ فِيْ الْحَدِيْثِ وَلَمْ يَكُنْ يَرْوِىْ اِلَّا مَا صَحَّ وَلَا يُحَدِّثُ اِلَّا عَنْ ثِقَةٍ.

(الثقات لابن حبان، ناشر: دائرۃ المعارف العثمانیۃ بحیدر آباد الدکن الہند، ج:۷ص:۴۵۹)

ترجمہ: امام مالک، فقہائے مدینہ میں پہلے شخص ہیں، جنہوں نے رواۃ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا، وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ کوئی اور چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

محدثین کو مؤطا کی صحت کا اس درجہ یقین ہے کہ امام بوزرعہ رازی فرماتے ہیں:

لَوْ حَلَفَ رَجُلٌ بِالطَّلَاقِ عَلَى اَحَادِيْثِ مَالِكٍ فِيْ الْمُوَطَّا اَنَّهَا صِحَاحٌ لَمْ يَحْنَثْ.

(برنامج التجیبی ناشر: الدار العربیۃ للکتاب، لیبیا تونس، ج:۱ص:۶۲)

اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ مؤطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں، وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَا عَلَى ظَهْرِ الْاَرْضِ كِتَابٌ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ اَصَحَّ مِنْ كِتَابِ مَالِكٍ.

(شرح الزرقانی علی المؤطا ناشر: مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، ج:۱ص:۶۳)

ترجمہ: روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔

خود علماے شوافع ہی میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ:

فَاِنَّمَا قَالَ ذٰلِکَ قَبْلَ وُجُوْدِ کِتَابَیِ الْبُخَارِیِّ وَمُسْلِمٍ.

(مقدمۃ ابن الصلاح، ناشر: دار الفکر سوریا، دار الفکر المعاصر بیروت، ج:۱ص:۱۸)

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمانا امام بخاری، اور امام مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔

حضرت ہشام بن الغاز کا بیان ہے کہ عطا بن رباح تابعی (م۱۱۴ھ) سے لوگ حدیث پوچھ پوچھ کر انھیں کے سامنے لکھتے جاتے تھے۔

(سنن الدارمی، ناشر: دار المغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ ج:۱ص:۴۴۱)

حضرت سلمان بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

اَنَّهُ رَاٰی نَافِعًا مَوْلَی ابْنِ عُمَرَ يُمْلِیْ عِلْمَهُ وَيُكْتَبُ بَيْنَ يَدَيْهِ.

میں نے حضرت نافع (م۱۱۷ھ) کو دیکھا کہ وہ حدیثیں بیان کرتے اور ان کے تلامذہ ان کے سامنے لکھتے جاتے۔

(سنن الدارمی، ناشر: دار المغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ ج:۱ص:۴۴۱)

تبعِ تابعین کے دور میں حفاظتِ حدیث

حضراتِ تابعین کے زمانہ میں لکھی گئی حدیث کی کتابوں کے چند نمونے پیش کیے گئے۔ تبعِ تابعین کے زمانے میں اتنی کثرت سے احادیث کی کتابیں لکھی گئیں کہ ان سب کا احاطہ بہت دشوار ہے۔ چند کا ذکر یہاں مناسب ہے:

حضرت محمد بن بشر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت مِسعر (م۱۵۵ھ) کے پاس ایک ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں، دس کے سوا سب میں نے لکھ لیا۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۱۴۱)

حضرت عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۱۵۳ھ) سے سن کر دس ہزار حدیثیں لکھیں۔ (ایضا، ص:۱۴۲)

حضرتِ ہشام کے بارے میں حضرت امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام زُہری املا کراتے جاتے اور حضرتِ ہشام حدیثیں لکھتے جاتے۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۱۶۳)

حضرتِ ابونعیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو مشائخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔

(ایضا، ص:۱۵۹)

حضرتِ امامِ احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَیْتُ کُتُبَ شُعَیْبِ بْنِ اَبِیْ حَمْزَۃَ فَرَأَیْتُ کُتُبًا مَّضْبُوْطَۃً مُّقَیَّدَۃً.

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۱۶۳)

ترجمہ: میں نے شعیب بن ابوحمزہ کی کتابیں دیکھیں تو میں نے انھیں ضبط شدہ اور صحیح پایا۔

حضرت ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ (م۱۶۳ھ) پڑھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے

تھے مگر جب کسی سے حدیث سنتے تو لکھوا لیتے۔ (ایضا،ص:۱۷۳)

ابن لہیعہ نے حدیث کی بہت سے کتابیں لکھی تھیں۔صالح بن کیسان فرماتے ہیں: میں نے عمارہ بن غزیہ کی حدیثیں ابن لہیعہ ہی کی اصل کتاب سے نقل کی تھی۔(ایضا،ص:۱۷۵)

حضرتِ عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) تلمیذِ امامِ اعظم ابوحنیفہ نے اپنی لکھی ہوئی بیس ہزار احادیث لوگوں کو سنائیں۔(ایضا،ص:۲۰۲)

حضرت امام غندر (م ۱۶۳ھ) کے پاس بھی اپنی مسموع احادیث کی کئی کتابیں تھیں۔حضرتِ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ان کی کتابیں سب سے زیادہ صحیح ہیں۔ابن مہدی نے کہا: ہم حضرت شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ناشر: مؤسس الرسالۃ،ج:۹ص:۹۹،۱۰۰)

ان شواہد سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محدثین کی عام عادت تھی کہ جو حدیث سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے۔اسی دور میں باقاعدہ کتب احادیث کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا، چناں چہ مکہ معظّمہ میں ابن جریج (م ۱۵۰ھ) نے، بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵۲ھ) اور ربیع بن صبیح (م ۱۴۱ھ) نے اور یمن میں معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) نے کتابیں لکھیں۔اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) نے غزوات وسیر پر کتابیں لکھیں۔

ان کے بعد امامِ اوزاعی (م ۱۵۴ھ) نے شام میں، حضرتِ عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) نے خراسان میں، حضرت حماد بن سلمہ (م ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں، حضرت سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں، حضرت جریر بن عبدالحمید (م ۱۸۸ھ) نے رَے میں اور حضرت ہشیم (م ۱۸۳ھ) نے واسط میں کتابیں لکھیں۔

حضرت ابومعشر سندی (م ۱۷۰ھ) نے مغازی پر ایک کتاب لکھی۔امام شافعی کے استاذ ابراہیم بن محمد اسلمی (م ۱۸۴ھ) نے موطا امام مالک کے طرز پر ایک موطا لکھی تھی۔

ابن عدی نے فرمایا کہ یہ موطا امام مالک سے دگنی تھی۔

حضرتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تلمیذ یحییٰ بن زائدہ کوفی (م۱۸۲ھ) نے بھی احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۱۹۶)

حضرتِ معافی بن عمران موصلی (م ۱۸۵ھ) نے کتاب السنن، کتاب الزہد، کتاب الادب، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں۔ (ایضًا، ص:۲۱۰)

حضرت امامِ ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م۱۸۲ھ) نے کتاب الآ ثار، کتاب الخراج وغیرہ تصنیف کیں۔

حضرتِ امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے موطا، کتاب الآ ثار، کتاب الحج وغیرہ تصنیف کیں۔ (اعلام للزرکلی ناشر: دارالعلم للملایین، ج:۶ص:۸۰)

حضرت ولید بن مسلمہ (م ۱۹۵ھ) نے مختلف ابواب پر ستر سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۲۲۱)

حضرت ابن وہب (م ۱۹۷ھ) نے اہوالِ قیامت اور جامع وغیرہ لکھیں۔ انھوں نے ایک ضخیم موطا بھی تصنیف کی تھی۔

(الوافی بالوفیات ناشر: دار احیاء التراث۔ بیروت، ج:۱۷ص:۳۳۵)

اب یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہوگئی کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے ہی سے حدیثوں کے لکھنے کا التزام ہوا جو کہ تابعین اور تبعِ تابعین کے دور تک پہنچنے تک بالکل منظّم ہو گیا۔ آج ہمارے پاس احادیث کی جو مشہور کتابیں ہیں ان میں فرامین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھی الفاظ کے ساتھ مذکور ہیں جن الفاظ میں آپ نے بیان فرمائے تھے۔

صحابۂ کرام کے صحیفے

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خود حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اور آپ کے بعد صحابہ اور تابعین کے ادوار میں بھی احادیث لکھ کر محفوظ رکھنے کا معمول جاری وساری تھا۔ صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان ہی کے دور سے احادیث کے چھوٹے چھوٹے صحیفے اور کتابیں مرتب کرنے کا کام بھی شروع ہو چکا تھا۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت علی، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ہُمام بن مُنَبِّہ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مختلف صحائف و دواوین مرتب فرمائے تھے۔ چند کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب الصدقہ:

یہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جو حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود املا کرائی تھیں۔ اس میں زکوٰۃ، صدقات اور عشر وغیرہ کے احکام تھے۔ یہ مجموعہ آپ نے اپنے عُمال کے پاس بھیجنے کے لیے تیار کروایا تھا لیکن روانہ فرمانے سے پہلے ہی آپ اس دارِ فانی سے پردہ پوش ہو گئے۔

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

كَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ سَلَّمَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمۡ يُخۡرِجۡهُ اِلٰى عُمَّالِهٖ حَتّٰى قُبِضَ فَقَرَنَهٗ بِسَيۡفِهٖ فَعَمِلَ بِهٖ اَبُوۡ بَكۡرٍ حَتّٰى قُبِضَ ثُمَّ عَمِلَ بِهٖ عُمَرُ حَتّٰى قُبِضَ. (سنن ابوداوٗد، حصہ دوم، ص:۹۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "کتابُ الصدقۃ" تحریر کروایا مگر اپنے

عُمّال کے پاس بھیجنے سے پہلے ہی آپ نے دُنیا سے پردہ فرمالیا، اسے آپ نے اپنی تلوار کے نیام میں رکھ دیا تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تاحیات اس پر عمل فرمایا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تاحیات اس پر عمل فرمایا۔

کتاب الصدقۃ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت عبداللہ اور حضرت عُبید اللہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما و عن ابیھما سے ہوتے ہوئے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی، آپ نے اس کی نقل کروائی۔ آپ سے حضرت سالم بن عبداللہ کے پاس منتقل ہوئی اور ان سے حضرت امام ابن شہاب زُہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک پہنچی۔ آپ نے اسے حفظ کیا اور دوسروں کو بھی پڑھایا۔

الصحیفۃ الصادقۃ:

مسند امام احمد بن حنبل کے حاشیے میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کا جو مجموعہ تیار کیا تھا اس کا نام ''اَلصَّحِیۡفَۃُ الصَّادِقَۃُ'' رکھا تھا۔ یہ عہدِ صحابہ کے حدیثی مجموعوں میں سب سے زیادہ ضخیم صحیفہ تھا۔

(مسند احمد ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، حصہ یازدہم، ص:۷)

اس کی احادیث کی کل تعداد یقینی طور سے معلوم نہیں ہوسکی لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

مَا مِنۡ اَصۡحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ اَحَدٌ اَکۡثَرَ حَدِیۡثًا عَنۡہُ مِنِّیۡ اِلَّا مَا کَانَ مِنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عَمۡرٍو فَاِنَّہٗ کَانَ یَکۡتُبُ وَ لَا اَکۡتُبُ.

(صحیح بخاری، ناشر: دارطوق النجا، حصہ اول، ص:۳۴)

ترجمہ: صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان میں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مجھ سے زیادہ کسی نے احادیث

روایت نہیں کی ہے کیوں کہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ احادیث سے زیادہ تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چونسٹھ یا پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے اور صحیح قول دوسرا ہی ہے۔ اس کی تائید حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس ارشاد سے بھی ہوتا ہے:

كُنْتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اُرِيْدُ حِفْظَهٗ. (سنن ابو داؤد، ناشر: المکتبۃ العصریہ صیدا بیروت، حصہ سوم، ص: ۳۱۸)

ترجمہ: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی ہر وہ بات جسے میں محفوظ کرنا چاہتا تھا اسے لکھ لیتا تھا۔

اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تدوین کردہ ''**اَلصَّحِيْفَةُ الصَّادِقَةُ**'' میں بیان کردہ احادیث پانچ ہزار تین سو چونسٹھ سے بھی زیادہ تھیں۔

اس پر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ خود حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات جو مختلف کتبِ حدیث کے ذریعے ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات سے کم ہے، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیسے فرمایا کہ انھیں مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیثیں یاد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ کہ وہ ساری حدیثیں دوسروں کے سامنے بیان بھی کی گئی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینۂ طیبہ میں تھے جو اس دور میں طالبانِ علم حدیث کا مرکز تھا اور لوگ دور دور سے حدیثیں سننے وہاں آیا کرتے تھے اس لیے انھیں حدیثیں بیان کرنے کے

زیادہ مواقع میسر آئے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما ملکِ شام میں رہے جہاں طلبِ حدیث کے لیے آنے والوں کی تعداد کم تھی اس لیے آپ کو احادیث بیان کرنے کے مواقع کم میسر آئے۔

''صحیفۂ صادقہ'' اس زمانے کا ضخیم ترین مجموعۂ حدیث تھا اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسے نہایت ہی حفاظت سے رکھتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ صحیفہ آپ کے پڑپوتے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس منتقل ہوا جو اکثر ''عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ'' کی سند سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

صحیفة علی:

حضرت علیِ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ تیار فرمایا تھا جو صحیفۃ علی (صحیفۂ علی) کے نام سے مشہور تھا۔ آپ کا صحیفہ آپ کی تلوار کی نیام میں رہتا تھا اور اس صحیفے کی روایت کے متعدد الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دِیات، معاقل، فدیہ، قصاص، احکامِ اہلِ ذِمہ، نصابِ زکوٰۃ اور مدینۂ طیبہ کے حرم ہونے سے متعلق ارشادات نبوی درج تھے۔

حضرت ابراہیم تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

مَا کَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَ مَا فِیْ هٰذِہِ الصَّحِیْفَةِ. (سنن ابوداؤد، حصہ دوم، ص:۲۱۶)

ترجمہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرکے قرآن مقدس اور اس صحیفے میں موجود احادیث مبارکہ لکھی ہیں۔

یہی بات مختلف الفاظ میں صحیح بخاری میں چار مقامات پر، صحیح مسلم میں دو مقامات پر

اور سنن نسائی اور سنن ترمذی میں بھی بیان کی گئی ہے۔

صُحف انس بن مالک:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابۂ کرام کے درمیان روایتِ حدیث میں ایک اہم مقام رکھتے تھے۔آپ نے بھی اپنی مرویات کا ایک مجموعہ صحیفے کی شکل میں تیار کیا تھا۔

حضرت معبد بن ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کُنَّا اِذَا اَکْثَرْنَا عَلٰی اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ فَاَخْرَجَ اِلَیْنَا مَحَالًا عِنْدَہٗ فَقَالَ ھٰذِہٖ سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَکَتَبْتُھَا وَ عَرَضْتُھَا عَلَیْہِ.

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ سوم، ص:۶۶۴)

ترجمہ: جب ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہت زیادہ حدیثیں پوچھتے تو آپ اپنے پاس سے چند صحیفے نکالتے اور فرماتے یہی وہ حدیثیں ہیں جو میں نے نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں اور میں لکھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش بھی کر چکا ہوں۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حدیث کے کئی مجموعے تھے اور آپ نے نہ یہ کہ محض لکھ لیا تھا بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نظر ثانی کے لیے پیش بھی کر چکے تھے۔

صحیفۂ عبد اللّٰہ بن عباس:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہیتے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے اور صحابۂ کرام میں علم فقہ اور روایت حدیث میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔آپ بھی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سے روایت کردہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔

حضرت کُریب بن ابی مسلم جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے انھیں آپ کی تحریر کردہ روایتوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ملا تھا جو پورے ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج:۵ص:۲۲۴)

صحیفۂ عبد اللہ بن مسعود:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی علم فقہ اور روایت حدیث میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔

علامہ ابن عبد البر قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مَعن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

اَخْرَجَ اِلَیَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ کِتَابًا وَ حَلَفَ لِیْ: اِنَّہٗ خَطُّ اَبِیْہِ بِیَدِہٖ. (جامع بیان العلم وفضلہ، ناشر: دار ابن الجوزی، حصہ اول، ص:۳۱۱)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجھے ایک کتاب نکال کر دکھائی اور قسم کھا کر فرمایا کہ یہ ان کے والد کی لکھی ہوئی ہے۔

صحیفۂ جابر بن عبد اللّٰہ:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ آپ نے بھی اسی دور میں حج کے احکام پر مشتمل اپنی مرویات کا ایک مجموعہ تیار فرمایا تھا۔

حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں:

رَاَیْتُ قَتَادَۃَ قَالَ لِسَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ عَرُوْبَۃَ: اَمْسِکْ عَلَیَّ الْمُصْحَفَ فَقَرَاَ الْبَقَرَۃَ فَلَمْ یُخْطِ حَرْفًا فَقَالَ: یَا اَبَا النَّضْرِ لَاَنَا لِصَحِیْفَۃِ جَابِرٍ اَحْفَظُ مِنِّیْ لِسُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ. (التاریخ الکبیر للبخاری، ناشر: دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن، حصہ ہفتم، ص:۱۸۵)

ترجمہ: میں نے حضرت قتادہ کو دیکھا، انھوں نے حضرت سعید بن ابوعروبہ سے کہا: میرے پاس قرآن مقدس لے کرآؤ، انھوں نے انھیں سورۂ بقرہ پڑھ کرسنایا اور ایک حرف کی بھی غلطی نہیں کی۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا: اے ابوالنضر (حضرت قتادہ کی کنیت) مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحیفہ سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ پختہ یاد ہے۔

صحیفۂ سَمُرہ بن جُندُب:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی روایت حدیث میں اونچا مقام رکھتے تھے اور آپ کی مرویات بھی بشکل صحیفہ موجود تھیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

سُلَيْمَانُ بْنُ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبِ الْفَزَارِیُ رَوٰی عَنْ اَبِيْهِ نُسْخَةً كَبِيْرَةً.

(تہذیب التہذیب، حصہ چہارم، ص:۱۹۸)

ترجمہ: سلیمان بن سمرہ بن جندب فزاری نے اپنے والد حضرت سمرہ بن جندب سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا ہے۔

امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں: فِیْ رِسَالَةِ سَمُرَةَ اِلٰی بَنِيْهِ عِلْمٌ كَثِيْرٌ.

(تہذیب التہذیب، حصہ چہارم، ص:۲۳۷)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹوں کی طرف جو خط لکھا ہے اس میں بہت سارے علوم کا بیان ہے۔

تدوینِ حدیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائی دور میں بہت زیادہ حدیثیں روایت کرنے کے مخالف تھے اور اپنا صحیفۂ حدیث بھی لوگوں کو بمشکل دکھاتے تھے لیکن ان کے زمانے میں عبداللہ بن سباء کی سرکردگی میں عظیم فتنۂ سبائیہ ظاہر ہوا جو اسلام کے خلاف یہودیوں کی ایک سازش تھی، انھوں نے مسلمانوں سے گھُل مِل کر اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے دو کام ایک ساتھ شروع کیے۔ ایک یہ کہ لوگوں کو صحابۂ کرام کے خلاف اُکسایا جائے اور دوسرا یہ کہ جھوٹی احادیث گھڑ کر ایک نیا نظامِ عقائد تیار کیا جائے جس میں حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو اُلوہیت کے مقام تک پہنچا دیا گیا ہو لیکن دوسرے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ایمان میں بھی شکوک پیدا کر دیے گئے ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس عظیم فتنے کا احساس اس وقت ہوا جب سبائی جماعت کے افراد مسلمانوں میں خوب اچھی طرح مل گئے۔ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا جو امام ذہبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت خزیمہ بن نصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے:

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَیَّ عِصَابَةٍ بَیْضَاءَ سَوَّدُوْا وَ اَیَّ حَدِیْثٍ مِّنْ حَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَفْسَدُوْا.

(تذکرۃ الحفاظ، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ج:۱ص:۱۵)

ترجمہ: اللہ انھیں ہلاک فرمائے، کس صاف وشفاف جماعت کو انھوں نے سیاہ کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیسی حدیث کو انھوں نے مبتلائے فساد کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنے کے انسداد کی خاطر ایک طرف تو فضائل صحابہ کی اشاعت کی اور دوسری طرف حدیث کے سلسلے میں اپنا طرزِ عمل بدل دیا۔ اب

آپ نے زیادہ روایتیں بیان کرنے کا عمل اختیار فرمایا۔ حضرت ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ منبر پر چڑھ جاتے اور یہ اعلان فرماتے: مجھ سے ایک درہم میں علم کون خریدے گا اور لوگ آپ سے احادیث کے مجموعے خرید لیتے۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح احادیث کی کثرت کے ساتھ روایت کر کے سبائی فتنے کا مقابلہ فرمایا اور ان کی موضوع روایتوں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اس طرح آپ کے شاگردوں میں سے کئی حضرات کے پاس آپ کی روایت کردہ احادیث کے مجموعے تھے اور آپ کے توسط سے بہت سی احادیث روایت کی جانے لگی تھیں۔

تدوینِ حدیث اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

صفر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے، تو آپ نے دیکھا کہ صحابہ کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہوچکی ہے، اکابر تابعین میں کچھ صحابہ کے ساتھ ہی چل بسے، باقی جو ہیں ایک ایک کرکے سارے مقامات سے اٹھتے جارہے ہیں، اس لیے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں اور حدیث پاک کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے، وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے لہٰذا آپ نے فوراً تمام ممالک کے علماء کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی کو تلاش کرکے جمع کرلیا جائے، چنانچہ حافظ ابونعیم اصبہانی، تاریخ اصبہان میں عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلَى الْآفَاقِ "اُنْظُرُوا حَدِيثَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْمَعُوهُ وَاحْفَظُوهُ فَاِنِّيْ اَخَافُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ.

(تاریخ اصبہان - اخبار اصبہان ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت ج:۱ص:۳٦٦)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام آفاق میں لکھ بھیجا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرکے جمع کرو۔

اسی سلسلے میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر حزمی کو جو آپ کی طرف سے وہاں کے امیر بھی تھے، جو فرمان بھیجا گیا اس کو امام محمد نے اپنی مؤطا میں بایں الفاظ روایت کیا ہے:

اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبَ اِلَى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ سُنَّتِهِ اَوْ حَدِيثِ عُمَرَ اَوْ

نَحْوِ هٰذَا فَاكْتُبْهُ لِيْ فَاِنِّيْ قَدْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ.

(موطاامالک بروایۃ محمد بن الحسن الشیبانی، ناشر: المکتبۃ العلمیۃ ج:۱ص:۳۳۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن عمرو بن حزم کولکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں، ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔

اس روایت میں حدیث عُمَرَ اَوْ نَحْوِ هٰذَا کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء کے آثار کی بھی جمع وتدوین کا حکم دیا تھا، سنن دارمی میں یہی روایت عبداللہ بن دینار کی زبانی اس طرح منقول ہے:

اُكْتُبْ اِلَيَّ بِمَا ثَبَتَ عِنْدَكَ مِنَ الْحَدِيْثِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِحَدِيْثِ عَمْرَةَ فَاِنِّيْ قَدْ خَشِيْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَهُ.

(سنن الدارمی، ناشر: دار المغنی للنشر والتوزیع سعودی عربیہ ج:۱ص:۴۳۰)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں تمہارے نزدیک ثابت ہوں وہ نیز حضرت عمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں مجھے لکھ بھیجو۔ کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے فنا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

امام بخاری نے بھی کتاب العلم میں ترجمۃ الباب کے اندر اس فرمان کا ایک حصہ تعلیقاً روایت کیا ہے، چنانچہ ”باب کیف یقبض العلم“ میں فرماتے ہیں:

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اِلَى اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ "اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّيْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلاَ تَقْبَلُ اِلَّا حَدِيْثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْتُفْشُوْا الْعِلْمَ وَلْتَجْلِسُوْا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَّا يَعْلَمُ فَاِنَّ العِلْمَ لاَ يَهْلِكُ حَتّٰى يَكُوْنَ سِرًّا.

(صحیح البخاری، ناشر: دار طوق النجاۃ، ج:۱ص:۳۱)

ترجمہ: اور عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں ہیں، ان کو تلاش کر کے مجھے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کچھ نہ قبول کیا جائے اور لوگوں کو چاہیے کہ علم کی اشاعت کریں، اور درس کے لیے بیٹھیں تا کہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں، کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔

بعض لوگوں نے اس پوری عبارت کو فرمان کی عبارت سمجھ لیا ہے، حالانکہ ''ذہاب العلماء'' تک جو خط کشیدہ الفاظ ہیں وہ فرمان کے ہیں اور ''لا یقبل'' سے امام بخاری کی اپنی عبارت شروع ہوتی ہے، چونکہ امام بخاری آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے، اس لیے ساتھ ہی اپنی رائے کا بھی اس سلسلہ میں اظہار کر گئے ہیں، مگر عبارت مذکورہ کے بعد جب انہوں نے اس تعلیق کی اسناد بیان کی تو تصریح کر دی ہے کہ یہ تعلیق ''ذہاب العلماء'' پر ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْعَلاَءُ بْنُ عَبْدِ الْجَبَّارِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ بِذٰلِكَ يَعْنِي حَدِيْثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ العَزِيز اِلَى قَوْلِهِ ذَهَابَ العُلَمَاءِ.

(صحیح البخاری، ناشر: دار طوق النجاۃ، ج:۱ص:۳۱)

ترجمہ: امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی صاحب موصوف کو یہ بھی لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم موجود ہے اس کو لکھ کر ان کے لیے بھیجیں۔

(تہذیب التہذیب ناشر: مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند ج:۱۲ ص:۳۹)

اور ابن سعد لکھتے ہیں:

كَتَبَ عُمَرُ بُنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ اِلَى اَبِىْ بَكْرِ بُنِ مُحَمَّدِ بُنِ عَمْرِو بُنِ حَزْمٍ اَنِ انْظُرُ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ سُنَّةٍ مَّاضِيَةٍ اَوْ حَدِيْثِ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّىْ قَدْ خِفْتُ دُرُوْسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ اَهْلِهِ.

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ج:۲ ص:۳۸۷)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، گزری سنت اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی جو روایات مل سکیں، ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔

قاضی ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم خزرجی انصاری اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے بہت بڑے فقیہ تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں مدینہ میں جس قدر قضا کے بارے میں ان کو علم تھا، اتنا کسی کو نہیں تھا، بڑے عابد شب زندہ دار تھے، ان کی اہلیہ کا بیان ہے چالیس سال ہونے آئے یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوئے، ان کی وفات بہ اختلاف اقوال ۱۱۰ھ یا ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

قاضی صاحب موصوف نے امیر المؤمنین کے حکم کے مطابق حدیث میں متعدد کتابیں

لکھیں، لیکن افسوس ہے کہ جب قاضی صاحب کا یہ کارنامہ پایہ کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز وفات پا چکے تھے، علامہ ابن عبدالبر التمہید میں امام مالک کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ:

فَتُوُفِّیَ عُمَرُ وَقَدْ کَتَبَ ابْنُ حَزْمٍ کُتُبًا قَبْلَ اَنْ یَبْعَثَ بِھَا اِلَیْهِ.

(التمهيد لما فی الموطا من المعانی والاسانید ج:۱ص:۸۱)

ابن حزم نے متعدد کتابیں لکھیں، پر حضرت عمر بن عبدالعزیز قبل اس کے کہ ابن حزم یہ کتابیں ان کی خدمت میں بھیجیں وفات پا گئے۔

تہذیب التہذیب میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے ان کتابوں کے متعلق قاضی صاحب کے صاحبزادے عبد اللہ بن ابی بکر سے پوچھا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ ''ضاعت'' (وہ ضائع ہوگئیں)۔

(تہذیب التہذیب ناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، الهند ج:۱۲ص:۳۹)

دوسری صدی ہجری میں تدوین حدیث

پہلی صدی میں مُبَوّب کتبِ حدیث کی محض ابتدا تھی، دوسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث کا کام اور زیادہ قوت کے ساتھ شروع ہوا۔اس دور میں حدیث کی جو کتابیں لکھی گئیں ان کی تعداد بیس سے بھی زیادہ ہے جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔

کتاب الاثار لابی حنیفه:

اس کتاب میں پہلی بار احادیث کو فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا۔امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس ہزار احادیث میں سے اس کتاب میں بیان کردہ احادیث کا انتخاب فرمایا ہے۔

اس کے کئی نسخے ہیں، بروایت امام محمد، بروایت امام ابو یوسف، بروایت امام زُفر رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یہ کتاب مؤطا امام مالک سے بھی پہلے لکھی گئی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ امام مالک نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تالیفات سے استفادہ کیا ہے اس لیے یہ کتاب اپنے طرزِ تدوین میں مؤطا امام مالک کی اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بہت سے علما نے اس کی شروح لکھیں اور اس کے رجال پر کتابیں تصنیف کیں جن میں حافظ ابن حجر بھی شامل ہیں۔

اسی صدی میں (۱) مؤطا امام مالک (۲) جامع معمر بن راشد (۳) جامع سفیان ثوری (۴) السنن لابن جُریج (۵) السنن لوکیع بن الجراح (۶) کتاب الزہد لعبد اللہ بن المبارک وغیرہ احادیث کی معتبر کتابیں لکھی گئیں اور اس صدی میں تدوینِ حدیث کا کام خوب زور پکڑا۔

تیسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث

تیسری صدی میں یہ کام مزید منظّم ہوا جس کے نتیجے میں احادیث کی وہ کتبِ معتبرہ منظرِ عام پر آئیں جو ہر دور میں ہر طبقے کے نزدیک معتبر ہیں۔ان میں سے چند کے اسما درج کیے جارہے ہیں۔

مُسنَد ابی داؤد طِیالسی:

حضرت ابوداوٗد طیالسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوداوٗد ازدی سجستانی جن کی سنن صحاحِ ستّہ میں سے ہے ان سے پہلے کے ہیں۔بعض علما فرماتے ہیں کہ یہ کتاب مسانید میں سب سے پہلی مسند ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلی مسند، مسندِ عبیداللہ بن موسیٰ ہے اور حضرت ابوداوٗد طیالسی اگرچہ ان سے مقدم ہیں لیکن حضرت ابوداوٗد طیالسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسند ان کی وفات کے بہت بعد بعض خراسانی علما نے ترتیب دی ہے اور یہ اس وقت مرتب ہوئی جب مسند عبیداللہ بن موسیٰ وجود میں آچکی تھی۔

مُسند احمد:

اسے جامع ترین مسند کہا گیا ہے، اس میں تقریباً چالیس ہزار حدیثیں ہیں جنھیں امام احمد نے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے۔امام احمد نے اپنی زندگی میں احادیث کو جمع تو کرلیا تھا لیکن ان کی ترتیب وتبویب نہ کرسکے تھے کہ وفات ہوگئی۔ آپ کے بعد آپ کے جلیل القدر صاحب زادے حضرت عبداللہ بن احمد نے ان کی ترتیب وتہذیب کی اور اس میں تقریباً دس ہزار احادیث کا اضافہ بھی کیا۔ ان کے بعد حضرت حافظ ابوبکر قطیعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس میں کچھ اضافے کیے جنھیں ''زِیَادَۃُ الْمُسْنَدِ'' کہا جاتا ہے۔

مُصَنَّف عبد الرزاق:

پہلے زمانے میں لفظ مُصنَّف کا اطلاق اسی اصطلاحی مفہوم پر ہوتا تھا جس کے لیے آج کل السنن کا لفظ معروف ہے۔ یہ مصنف امام عبدالرزاق بن الہمام الیمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرتب کردہ ہے اور کئی اعتبار سے بڑی جلیل القدر کتاب ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ حضرت عبدالرزاق، امام ابوحنیفہ اور معمر بن راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے ائمہ کے شاگرد اور امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے ائمہ کے استاذ ہیں، اسی لیے اس مصنف میں اکثر احادیث ثلاثی ہیں۔ ثانیًا اس لیے کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصریح کے مطابق اس مصنف کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔

مُصنَّف ابن ابی شیبہ:

اس کے مصنف کا پورا نام حضرت ابوبکر بن ابی شیبہ ہے۔ آپ بھی امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ کے استاذ ہیں۔ آپ کے مصنف کی پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں صرف احادیث احکام کو فقہی ترتیب پر جمع کیا گیا ہے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے فتاویٰ بھی بکثرت منقول ہیں جس سے حدیث کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والے جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں آپ نے اس کتاب میں سب کو غیر جانب داری کے ساتھ جمع کیا ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ امام ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود کوفی ہیں اس لیے آپ نے اہلِ عراق کے مسلک کو خوب اچھی طرح سمجھ کر بیان کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ احناف کی دلیلیں اس کتاب میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ علامہ زاہد الکوثری نے لکھا ہے: اَحْوَجُ مَا یَکُوْنُ الْفَقِیْهُ اِلَیْهِ کِتَابُ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ.

ترجمہ: فقیہ کو جس کتاب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ابن ابی شیبہ کی لکھی

ہوئی کتاب (یعنی مصنف ابن ابی شیبہ) ہے۔

المَعاجِم للطَّبرانی:

امام طبرانی کی معاجم تین قسم کی ہیں۔(۱) کبیر (۲) اوسط اور (۳) صغیر۔معجم کبیر درحقیقت مسند ہے یعنی اس میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روایتیں جمع کی گئی ہیں۔معجم اوسط میں امام طبرانی نے اپنے شیوخ کی ترتیب سے روایات جمع کی ہیں اور معجم صغیر میں اپنے ہر شیخ کی ایک ایک روایت ذکر کی ہے اور اس میں زیادہ تر انھیں شیوخ کی روایات ہیں جن سے امام طبرانی نے صرف ایک روایت سُنی ہے۔

اسی دور میں مسند البزار، مسند ابی یعلٰی، مسند الدارمی، السنن الکبریٰ للبیہقی، سنن الدارقطنی وغیرہ بھی معرضِ تحریر میں آئیں۔

سند کی ضرورت واہمیت

اِسناد اس اُمّت کی اِضافی خصوصیت ہے جو پہلے کی امتوں کو نہیں حاصل تھی۔ مسلمان پر ضروری ہے کہ احادیث واخبار کی نقل میں ان پر اعتماد کرے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ وَ لَوْلَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَا شَآءَ. (صحیح مسلم، جلد اول، ص:۱۲)

ترجمہ: سند بیان کرنا دین ہے، اگر سند نہ ہوتی تو جس کی مرضی میں جو آتا وہ کہتا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

طَلَبُ الْاِسْنَادِ الْعَالِیْ سُنَّۃٌ عَمَّنْ سَلَفَ. (تدریب الراوی، ص:۶۰۵)

ترجمہ: اسنادِ عالی کا طلب کرنا سلفِ صالحین کا طریقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلیم حاصل کرنے اور ان سے حدیث سننے کے لیے کوفہ سے مدینے آتے تھے۔ (تدریب الراوی، ص:۶۰۵)

بعض صحابہ نے تو صرف عُلوِّ اِسناد کو حاصل کرنے کے لیے سفر کیا، اُنھیں میں سے حضرت جابر اور حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔

اسنادِ عالی و اِسنادِ نازل

(واضح رہے کہ عُلوِّ اِسناد اور اِسنادِ عالی کا ایک مطلب یہ ہے کہ روایت باعتبار سند پورے طور پر صاف وشفاف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب تر ہو۔ اس کے مقابلے میں جس روایت میں راویوں کی کثرت ہو اور وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعید تر ہو اسے اسنادِ نازل کہتے ہیں۔)

امام المحدثین حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کے مرضِ وفات میں پوچھا گیا: مَا تَشْتَهِيْ؟ (آپ کی اس وقت کیا خواہش ہے؟) فرماتے ہیں: بَيْتٌ خَالٍ وَّاِسْنَادٌ عَالٍ (خالی گھر (تنہائی) اور اسنادِ عالی۔) (شرح نخبۃ الفکر للعلامۃ القاری، ص:۱۵۸)

حضرت امام ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ. (ایضًا)

ترجمہ: یہ معاملہ (اسناد) دراصل دین ہے، لہٰذا اس کا خیال کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا شمار صغارِ تابعین میں ہوتا ہے، فرماتے ہیں: اَلْاِسْنَادُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ فَاِذَا لَمْ يَكُنْ مَعَهٗ سِلَاحٌ لَمْ يَقْدِرْ اَنْ يُّقَاتِلَ.

(شرح نخبۃ الفکر للعلامۃ القاری، ص:۶۱۷)

ترجمہ: اسناد مومن کا ہتھیار ہے، اگر اس کے پاس ہتھیار نہیں ہوگا تو کس طرح لڑائی کی اسے قدرت ہوگی؟

یہی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پہلے سند پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن

لَمَّا اسْتَعْمَلَ الرُّوَاةُ الْكِذْبَ اسْتَعْمَلْنَا لَهُمُ التَّارِيْخَ.

(تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۲۷۵)

(ترجمہ: جب راویوں نے غلط بیانی سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کو وسیلہ بنالیا اور اسے بطورِ ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا۔)

تاریخ کے ہتھیار ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب تابعین یا تبعِ تابعین کے زمانے میں کوئی صاحب کوئی حدیث بیان کرتے تو ان سے یہ پوچھا جاتا کہ تم نے یہ حدیث کس

صحابی سے سنی ہے؟ اسی کے ساتھ ان کی رہائش اور سنِ وفات کے بارے میں بھی پوچھا جاتا۔اس طرح سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ حدیث اس نے صحیح بیان کی ہے یا اس میں کچھ خلل ہے۔

مذکورہ ساری روایات اور اقوالِ ائمۂ حدیث سے اسناد کی اہمیت وضرورت بالکل واضح ہو جاتی ہے، اسی اہمیت کے پیشِ نظر جب حفاظتِ اسناد کی ضرورت کی تکمیل کی جانب ہمارے ائمۂ محدثین نے توجہ فرمائی تو با قاعدہ ایک نئے شعبے کا آغاز ہوا، اسے ہم علمِ اسناد اور علمِ اسماءالرجال سے یاد کرتے ہیں۔

اسبابِ اصطلاحاتِ حدیث

قرآن مقدس کے بعد اسلامی احکام کی روح اور اصل کی حیثیت احادیث مبارکہ کو حاصل ہے۔جس طرح قرآن مقدس کی حفاظت خالقِ کائنات نے اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ٥
(ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔) (سورۂ حجر،آیت:۹)

اسی طرح سیرتِ نبوی بھی اُسی کے ذمۂ حفاظت میں ہے۔احادیث مبارکہ کی نقل وروایت کے سلسلے میں خیر القرون تک تو معاملہ کافی حد تک درست رہا اور راویانِ حدیث کے ضبط وعدالت پر بھی بالکل اعتماد تھا مگر بعد کے زمانے میں حالات بدلنے لگے،اسی دوران رافضیوں کا فتنہ سامنے آیا اور انھوں نے حدیث گڑھنا شروع کر دیا۔ان لوگوں نے فضائلِ اہل بیت میں تقریباً تین لاکھ حدیثیں گڑھ لیں۔اسی طرح دوسرے فرقہ ہاے باطلہ نے اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کے لیے اپنے عقائد سے متعلق حدیثیں گڑھ لیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں،کَمَا نَصَّ عَلَیْہِ الْحَافِظُ اَبُوْ یَعْلٰی وَالْحَافِظُ الْخَلِیْلِیُّ فِی الْاِرْشَادِ. (ترجمہ: جیسا کہ اس پر حافظ ابویعلٰی اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔) یوں ہی نواصب نے مناقبِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں

حدیثیں گھڑیں، کَمَا اَرْشَدَ اِلَیْہِ الْاِمَامُ الذَّابُّ عَنِ السُّنَّۃِ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی. (ترجمہ: جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں۔) (فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم، ص:۴۶۱)

اس لیے ضرورت پیش آئی کہ ان کی نقد و جرح اور جانچ پڑتال ہو اور کھرے کھوٹے کی پہچان ہو۔ نقد و جرح اور تحقیق و تفتیش کے بعد ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ سبھی کو حقیقت سے آگاہی ہو اور عوام و خواص سبھی اس طریقے سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے لیے محدثین نے کافی تگ و دو کی اور سخت جاں فشانی کے بعد ضروری اصطلاحیں بنائیں، حدیثوں کے نام متعین کیے، ان کا حکم بیان کیا، اس طرح سے حدیثوں کا الگ الگ نام پڑا جنھیں اصطلاحاتِ احادیث کہتے ہیں۔

پھر احادیث مبارکہ میں متعدد اعتبار سے الگ الگ صفات پائی جاتی ہیں۔ کسی روایت کی نسبت ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، کسی کی رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف، کسی کی کسی صحابی کی طرف اور کسی کی کسی تابعی کی طرف، پھر ان احادیث کو کبھی ایک بڑی جماعت روایت کرتی ہے، کبھی چھوٹی جماعت اور کبھی فرد واحد، پھر ان راویوں کے مختلف مراتب ہیں۔ انھی باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ائمۂ حدیث نے احادیث مبارکہ کی تقسیم کی ہے اور ان کے مراتب متعین کیے ہیں۔

ہر قسم کی حدیث کا الگ الگ حکم ہے، کچھ واجب العمل ہیں، کچھ لائق عمل ہیں، کچھ متروک العمل ہیں، کچھ معتبر ہیں اور کچھ غیر معتبر ہیں۔ حدیث پاک پڑھنے، سمجھنے اور اس سے کوئی حکم اخذ کرنے کے لیے حدیث کی قسموں کا جاننا نہایت ہی ضروری ہے ورنہ صحیح حکم اخذ کرنا نہایت ہی دشوار ہو جائے گا۔ اگلے صفحات میں آپ ملاحظہ کریں گے کہ حدیث کی چار اعتبار سے تقسیم کی گئی ہے، پھر ہر تقسیم کے تحت متعدد اقسام بیان کیے گئے ہیں۔

حصۂ دوم

(ضروری اصطلاحات،متعدد اعتباروں سے حدیث کی تقسیمات واقسام،مثالیں اوراحکام)

ابتدائی باتیں

(علمِ حدیث، علمِ اصولِ حدیث: تعارف اور فرق)

علم حدیث

وہ فن ہے جس کے ذریعے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال (ارشادات)، افعال (کام) اور احوال (حالات) کی معلومات حاصل ہو۔

موضوع

ذاتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیتِ رسول۔

مقصد

دونوں جہاں میں کامیابی و کامرانی۔

علم اصولِ حدیث

وہ علم ہے جس کے ذریعے ایسے اصول و قوانین معلوم ہوتے ہیں کہ جن کی بنیاد پر راوی (حدیث روایت کرنے والے) اور مروی (حدیث) کے حالات کا پتہ چلتا ہے، پھر اس کے نتیجے میں حدیث کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

موضوع

سند اور متن اس لحاظ سے کہ وہ مردود ہیں یا مقبول۔

مقصد

سند اور متن کے صحیح یا غیر صحیح ہونے، مقبول یا مردود ہونے کی معلومات حاصل کرنا۔

علمِ حدیث اور علمِ اُصولِ حدیث میں فرق

علمِ حدیث سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات، عادات و معمولات اور آپ کی پسندیدہ اور غیر پسندیدہ چیزوں کی جانکاری حاصل ہوتی ہے جب کہ ''علمِ اصول حدیث'' سے ان ارشادات و معمولات وغیرہ کے قابلِ عمل اور لائق اعتبار ہونے یا نا قابل عمل اور نا قابلِ اعتبار ہونے کی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

ضروری اصطلاحات

ذیل میں آنے والی بعض اصطلاحات اگر چہ کتاب کے اگلے حصے میں متفرق مقامات پر ذکر کی جائیں گی لیکن چوں کہ علمِ حدیث اور علمِ اصولِ حدیث میں ان کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اس لیے یہاں بھی ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(۱) روایت:

سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے کو روایت کہا جاتا ہے۔

(۲) راوی:

سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے والے کو راوی کہتے ہیں۔

(۳) سند:

یعنی حدیث بیان کرنے والے راویوں کا سلسلہ، اسی کو ''طریق'' بھی کہتے ہیں۔

(۴) اِسناد:

حدیث کی سند ذکر کرنے (یا با لفاظ دیگر) طریقِ حدیث بیان کرنے کو اِسناد کہتے ہیں۔ کبھی یہ ''سند'' ہی کے معنے میں بولا جاتا ہے۔

(۵) <u>متن:</u>

حدیث کے الفاظ وکلمات کو کہتے ہیں جہاں پہنچ کر راویوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

(۶) <u>صحابی:</u>

وہ بزرگ جنھوں نے ایمان کی حالت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور پھر ایمان کی حالت ہی میں ان کا وِصال ہوا یا شہادت نصیب ہوئی ہو۔

(۷) <u>تابعی:</u>

وہ صاحبِ ایمان جنھیں کسی صحابیِ رسول سے ملاقات کرنا اور حالت ایمان میں انتقال کرنا نصیب ہو۔

(۸) <u>صِحاحِ سِتّہ:</u>

حدیث کی چھ زیادہ معتبر کتابیں جو عوام وخواص میں مقبول ہیں:

(۱) صحیح بخاری شریف (۲) صحیح مسلم شریف

(۳) جامع ترمذی شریف (۴) سنن ابوداؤد شریف

(۵) سنن نسائی شریف (۶) سنن ابن ماجہ شریف

(۹) <u>مُحدِّث:</u>

وہ صاحبِ حدیث جو ایک لاکھ سے کم احادیث کے روایۃً ودرایۃً عالم ہوں، بالفاظ دیگر جو صاحبِ علم ''علم حدیث'' کے سلسلے میں مصروف ہوں اور بہت ساری احادیث (ایک لاکھ سے کم) اوران کے راویوں کے حالات سے واقف ہوں۔

(۱۰) <u>حافظ:</u>

جس محدث کو ایک لاکھ احادیث متن وسند کے ساتھ اوران کے راویوں کے احوال

کے ساتھ یاد ہوں تو انھیں حافظ کہتے ہیں۔

نوٹ: محدثین کے مزید مراتب کا بیان ان شاءاللہ آگے آئے گا۔

(۱۱) صحیح:

حدیث کی وہ کتاب جس میں مصنف نے اپنے اعتبار سے فقط صحیح حدیثوں کو جمع کرنے کی پابندی کی ہو جیسے صحیح البخاری۔ واضح رہے کہ صحیح حدیث کا تعارف آگے ''اقسام حدیث'' کے تحت آئے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ

(۱۲) سُنَن:

حدیث کی وہ کتاب جس میں مصنف نے علمِ فقہ کے ابواب (Chapters) کی ترتیب کے مطابق صرف احکام سے متعلق احادیث جمع کی ہوں جیسے سننِ ابوداؤد۔

(۱۳) جامع:

حدیث کی وہ کتاب جس میں مصنف نے مندرجہ ذیل آٹھ ابواب کے تحت احادیث جمع کی ہوں:

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) تفسیر (۴) سِیَر (۵) آداب (۶) مناقب (۷) فِتَن (۸) اشراطِ قیامت۔ جیسے جامعِ ترمذی۔

(۱۴) صحیحین:

صحیحین سے مراد صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔ جب کسی حدیث کی روایت ان دونوں کتابوں میں ہوتی ہے تو اسے مُتّفَق علیہ کہا جاتا ہے یا کبھی رَوَاہُ الشَّیْخَانِ بھی کہا جاتا ہے۔

(۱۵) رَواہُ الاربَعۃُ:

رَوَاہُ الْاَرْبَعَۃُ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ چاروں نے اس کی روایت کی ہے، اِن چاروں سے مراد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ صحاحِ ستّہ کی بقیہ چار کتابیں ہوتی ہیں۔

(۱۶) اَصَحُّ الکُتُب:

حدیث کی دوسری کتابوں کی بہ نسبت صحیح بخاری کی احادیث صحت اور قوت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ وافضل ہیں، اس لیے محدثین اسے "اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ" کے لقب سے نوازتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے بعد سب سے زیادہ صحیح ودرست کتاب صحیح البخاری ہے۔

نوٹ: باقی کثیر اصطلاحات مختلف عناوین کے تحت آپ آگے ملاحظہ کریں گے۔

تقسیمات واَقسامِ حدیث ایک نظر میں

تقسیمِ اول باعتبارِ ذاتِ منقول عنه

(۱) مبدأ ومصدر (ذاتِ منقول عنہ) کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں:

(۱)حدیث قُدسی **(۲)حدیثِ مرفوع**

(۳)حدیثِ موقوف **(٤)حدیثِ مقطوع**

تقسیم دوم باعتبار نقل و روایت

(۲) اسناد کے کم اور زیادہ ہونے کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱)مُتَواتِر **(۲)آحاد**

پھر آحاد کی تین قسمیں ہیں:

(۱)مشہور **(۲)عزیز**

(۳)غریب

نوٹ: مذکورہ اقسام میں سے بعض کی ذیلی قسمیں بھی ہیں۔

تقسیم سوم باعتبار غرابت

(۳) سند کے غریب ہونے کے لحاظ سے حدیثِ غریب کی دو قسمیں ہیں:

(۱)فردِ مُطلَق **(۲)فردِ نسبی**

(۴) دوراویوں کے الفاظِ حدیث موافق ہونے کے لحاظ سے فردِ نسبی کی تین قسمیں ہیں:

(۱)مُتابِع **(۲)مُتابَع**

(۳)شاھِد

(۵) دوراویوں کے الفاظِ حدیث مختلف ہونے کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں:

(۱)محفوظ **(۲)شاذّ**

(۳)معروف **(٤)مُنکَر**

تقسیم چہارم باعتبار قوت و ضعف

(٦) سند کے قوی وضعیف ہونے (قابلِ استدلال ہونے اور نہ ہونے) کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱)مقبول **(۲)مردود**

(۷) فرقِ مراتب (راوی کی صفات) کے لحاظ سے **حدیثِ مقبول** کی چار قسمیں ہیں:

(۱)صحیح لِذاتہٖ **(۲)صحیح لِغیرہٖ**

(۳)حَسَن لِذاتہٖ **(٤)حَسَن لغیرہٖ**

(۸)　باعتبارِ عمل (معمول بہ ہونے اور نہ ہونے کے لحاظ سے) **حدیثِ مقبول** کی چار قسمیں ہیں:

(۱) مُحکَم　　**(۲) مُختَلِف الحَدیث**

(۳) ناسِخ　　**(٤) مَنسوخ**

نوٹ: مذکورہ اقسام میں سے بعض کی ذیلی قسموں کو بھی ضمناً بیان کیا گیا ہے۔

(۹)　درمیانِ سند سے راوی کے ساقط ہونے کے لحاظ سے **حدیثِ مردود** کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) مُعَلَّق　　**(۲) مُرسَل**

(۳) مُعضَل　　**(٤) مُنقَطِع**

(۵) مُدَلَّس　　**(٦) مُرسَلِ خَفی**

(۱۰)　راوی کی عدالت میں طعن کے لحاظ سے **حدیثِ مردود** کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) مَوضوع　　**(۲) مَتروک**

(۳) مُنکَر　　**(٤) مُعَلَّل**

(۱۱)　راوی کے حفظ وضبط میں طعن کے لحاظ سے **حدیثِ مردود** کی سات قسمیں ہیں۔

(۱) مُدرَجُ السَّنَد　　**(۲) مُدرَجُ المَتْن**

(۳) مَقلوب　　**(٤) اَلمَزِید فِی مُتَّصلِ الاَسانِید**

(۵) مُضطَرِب　　**(٦) مُصَحَّفُ**

(۷) مُحَرَّف

تقسیم اول باعتبار ذات منقول عنہ

مبدأ اور مصدر یعنی جس ذات کی طرف حدیث منسوب ہے اس ذات کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حدیثِ قُدسی (۲) حدیثِ مرفوع
(۳) حدیثِ موقوف (۴) حدیثِ مقطوع

حدیث قدسی

ایسی حدیث جو ذات قدسی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب ہو اس حدیث کو ''حدیثِ قدسی'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث کی سند کا سلسلہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے یعنی نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا فرمایا۔

حدیثِ قدسی کی مثال

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ.

(صحیح البخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، حصہ ہشتم، ص:۱۰۵)

ترجمہ: جس نے میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت کی میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

حدیث قدسی کی روایت کرنے کے الفاظ دوطرح کے ہوتے ہیں احادیث کی کتابوں میں ان دونوں میں سے کسی بھی لفظ میں کوئی حدیث مروی ہوتو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ روایت حدیث قدسی ہے:

(۱) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّ وَ جَلَّ.

(ترجمہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہوئے ارشادفرمایا۔)

(۲) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَا رَوَاهُ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: اللہ تعالی نے ارشادفرمایا جیسا کہ اس سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کی۔

حدیث مرفوع

جس حدیث کی نسبت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب کی جائے اسے ''حدیثِ مرفوع'' کہا جاتا ہے۔اس حدیث میں آپ کے ارشاد،عمل،یا تقریر(یعنی خاموشی کے ذریعے کسی کام کی اجازت دینے) کو بیان کیا جاتا ہے۔دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس روایت میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایایا آپ نے یہ کام کیایا آپ کے سامنے کسی نے ایسا کیا تو آپ نے اسے منع نہیں فرمایا، اسے حدیث مرفوع کہیں گے۔

مرفوع حدیث کی قسمیں

مرفوع حدیث کی تین اقسام ہیں:

(۱)مرفوع قولی (۲)مرفوعِ فعلی

(۳)مرفوع تقریری

مرفوع قولی

وہ حدیث جس میں کسی قول کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو اسے ''مرفوعِ قولی'' کہا جاتا ہے۔

مرفوعِ قولی کی مثال

کوئی صحابی یہ کہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ کَذَا.

(ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح فرماتے سنا۔)

یا یہ کہیں:

حَدَّثَنا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بِکَذَا.

(ترجمہ: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا۔)

یا صحابی یا کوئی غیرِ صحابی یہ کہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کَذَا.

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔)

یا یہ کہیں:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ کَذَا.

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اس طرح فرمایا۔) وغیرہ

مرفوعِ فعلی

وہ حدیث جس میں کسی فعل یعنی کام کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو اسے ''مرفوعِ فعلی'' کہا جاتا ہے۔

مرفوعِ فعلی کی مثال

کوئی صحابی کہیں:

رَاَیۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ فَعَلَ کَذَا.

(ترجمہ: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح کیا۔)

یا کوئی صحابی یا غیرِ صحابی کہیں:

کَانَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ یَفۡعَلُ کَذَا.

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح کیا کرتے تھے۔)

مرفوعِ تقریری

جس حدیث میں یہ بیان کیا جائے کہ کوئی کام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا یا کوئی بات کہی گئی لیکن آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا اسے ''مرفوعِ تقریری'' کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے اس کام کا جائز ہونا ثابت کیا جاسکتا ہے۔

مرفوعِ تقریری کی مثال

کوئی صحابی یہ کہیں:

فَعَلۡتُ بِحَضۡرَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ کَذَا.

(ترجمہ: میں نے نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کیا۔)

یا کوئی صحابی یا غیرِ صحابی یہ کہیں:

فَعَلَ فُلَانٌ بِحَضۡرَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ سَلَّمَ کَذَا.

(ترجمہ: فلاں نے نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کیا۔)

واضح رہے کہ جب حدیث میں نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس کام سے منع کرنے کا تذکرہ نہ ہو تبھی اسے مرفوعِ تقریری کہیں گے۔

حدیثِ مرفوع کا حکم

حدیث مرفوع کبھی متّصِل، کبھی مُرسَل، کبھی منقطع وغیرہ ہوتی ہے، لہٰذا جس حدیث کے ضِمن میں آئے گی اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔

حدیثِ موقوف

جس حدیث کا سلسلۂ سند صحابی پر ختم ہوجائے اسے ''حدیثِ موقوف'' کہا جاتا ہے۔اس حدیث میں صحابی کے قول،فعل اور تقریر بیان کیے جاتے ہیں۔

جس طرح حدیثِ مرفوع کی تین قسمیں ہیں، مرفوعِ قولی، مرفوعِ فعلی اور مرفوعِ تقریری اسی طرح حدیثِ موقوف کی بھی تین قسمیں ہیں، موقوفِ قولی، موقوفِ فعلی اور موقوفِ تقریری۔

حدیثِ موقوف کی مثال

قَالَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ: لَّا خَیْرَ فِیْ عِبَادَۃٍ لَّا عِلْمَ فِیْھَا.

(صفوۃ الصفوۃ، ناشر: دارالحدیث، القاہرۃ، مصر، ج:ا ص:۱۲۲)

ترجمہ: اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں علم نہ ہو۔

حدیثِ موقوف کا حکم

حدیث موقوف بھی کبھی متّصِل، کبھی مُرسَل، کبھی منقطع وغیرہ ہوتی ہے لہٰذا جس حدیث کے ضِمن میں آئے گی اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔

مرفوعِ حُکمی کے احکام

بعض اوقات کوئی حدیث اپنے ظاہری الفاظ یا شکل میں تو موقوف ہوتی ہے لیکن اس میں گہرے غور وخوض سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث دراصل مرفوع ہی ہے، اس حدیث کو ''مرفوع حکمی'' کا نام دیا جاتا ہے کیوں کہ یہ حدیث بظاہر موقوف لیکن درحقیقت مرفوع ہوتی ہے۔اس کی یہ صورتیں ممکن ہیں:

۱) صحابی کوئی ایسی بات کہیں جس میں اجتہاد کرنے کی گنجائش نہ ہو، نہ ہی وہ بات کسی لفظ کی تشریح سے متعلق ہو اور نہ ہی وہ صحابی اہل کتاب سے روایت کرنے (اسرائیلی روایت بیان کرنے) کے بارے میں مشہور ہوں،تو اس صورت میں حدیث مرفوع ہوگی۔

۲) ماضی کے واقعات بیان کریں، جیسے کائنات کی تخلیق کی ابتدا وغیرہ سے متعلق حدیث، مستقبل کے امور سے متعلق خبریں جیسے جنگیں، فتنے اور قیامت کی علامتیں،تو اس صورت میں بھی حدیث مرفوع ہی ہوگی۔

۳) کسی مخصوص کام کرنے پر ثواب یا عذاب کی تفصیل پیش کریں، جیسے یہ کہا جائے کہ ''اگر یہ کام کروگے تو اس کا یہ اجر ملے گا۔''

۴) صحابی کوئی ایسا کام کررہے ہوں جس میں اجتہاد کرنے کی کوئی گنجائش نہ ہو جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے سورج گرہن کی نماز میں ہر رکعت میں دو سے زیادہ رکوع کیے۔

۵) صحابی یہ بیان کریں کہ ہم اس طرح کرتے تھے یا یہ کہا کرتے تھے یا اس میں ہمیں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا تھا۔

اگر صحابہ کے اس قول وفعل کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہو تو

صحیح قول یہ ہے کہ یہ حدیثِ مرفوع ہے، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے۔''

حدیثِ مقطوع

جس حدیث کا سلسلۂ سند تابعی پر ختم ہو جاتا ہو اسے ''حدیثِ مقطوع'' کہا جاتا ہے، اس حدیث میں تابعی کے قول وفعل کو بیان کیا جاتا ہے۔

حدیثِ مقطوع کی مثال

قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ ''اَلصَّبْرُ کَنْزٌ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ''

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ناشر: مکتبۃ الإمام الشافعی الریاض ج:۲ص:۳۰۹)

ترجمہ: حضرت حسن بصری (تابعی) رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

حدیثِ مقطوع کا حکم

اگر وہ کسی سند سے مرفوع ثابت ہو تو مرفوعِ مُرسَل کے حکم میں ہوگی اور بعض اَحناف نے فرمایا کہ اگر تابعی عہدِ صحابہ میں ان کی نگرانی میں اِفتا کا کام کرتے رہے ہوں اور صحابی کو اس تابعی پر اعتماد بھی ہو تو مقطوع کو موقوف کی حیثیت حاصل ہوگی۔

دوسری تقسیم نقل وروایت کے اعتبار سے

اسناد کے کم اور زیادہ ہونے کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مُتواتِر (۲) غیر مُتواتر (خبرِ آحاد)

پھر متواتر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) لفظی (۲) معنوی

حدیثِ مُتواتِر

جس حدیث کے راوی یعنی بیان کرنے والے تینوں دور میں اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو اور سند کی انتہا امرِ حسّی یعنی دیکھنے یا سننے پر ہو رہی ہو اس حدیث کو ''حدیثِ متواتر'' کہتے ہیں۔

نوٹ: راویوں کی کس تعداد کو کثیر کہا جائے اس بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ مذہبِ مُختار یہ ہے کہ ہر دور میں کم از کم دس راوی ہوں تو انھیں کثیر کہا جائے گا۔

(تدریب الراوی، ناشر: المکتبۃ التوفیقیۃ، حصۂ دوم، ص:۳۹۲)

حدیثِ متواتر کی مثال

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

(صحیح البخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، ج:۲ص:۸۰)

ترجمہ: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حدیث کے درجۂ تواتر تک پہنچنے کے لیے چار شرطیں ہیں، جن روایتوں میں یہ شرطیں پائی جائیں گی انھیں حدیثِ متواتر کہیں گے:

۱) حدیث کے راوی ہر دور میں کثیر تعداد میں ہوں۔

۲) یہ کثرت سند کے تمام طبقات میں برابر پائی جائے یعنی ابتدا سے انتہا تک راوی کثیر ہوں۔

۳) یہ کثرت اس درجے کی ہو کہ عادۃً یا اتفاقاً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

۴) اس خبر کو وہ ایک حِسّی مشاہدے کے طور پر بیان کریں یعنی یہ کہیں رَاَیْنَا یعنی ہم نے یہ دیکھا ہے یا سَمِعْنَا یعنی ہم نے یہ سنا ہے، ہم نے اسے چھوا ہے، وغیرہ۔ اگر وہ محض اپنی عقل سے قیاس آرائی کر رہے ہوں، تو یہ خبر متواتر نہ ہوگی۔

متواتر کا حکم

حدیثِ متواتر پر عمل کرنا واجب ہے کیوں کہ اس سے قطعی اور یقینی علم حاصل ہوتا ہے، یہ اتنا یقینی علم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اس خبر کی اسی طرح تصدیق کرے جیسے کہ وہ بذات خود اس کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

متواترِ لفظی

جس حدیث کے الفاظ اور معانی دونوں ہی متواتر ہوں، اس حدیث کو ''متواترِ لفظی'' کہتے ہیں۔

متواترِ لفظی کی مثال

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّار.

(صحیح البخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، ج:۲ص:۸۰)

(التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر فی اصول الحدیث، ناشر: دارالکتاب العربی، بیروت، ج:۱ص:۸۶)

(ترجمہ: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم

میں بنالے۔) اس حدیث کو ستر (۷۰) سے زائد صحابہ نے روایت کیا ہے۔جن میں عشرۂ مبشرہ بھی داخل ہیں۔

متواترِ معنوی

متواترِ معنوی وہ خبر ہوتی ہے جس کے صرف معانی متواتر ہوں، الفاظ متواتر نہ ہوں۔

متواترِ معنوی کی مثال

متواترِ معنوی کی مثال وہ احادیث ہیں جن میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سو سے زائد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ امام سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

فَقَدْ رُوِیَ عَنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ مِائَةِ حَدِیْثٍ فِیْهِ رَفْعُ یَدَیْهِ فِیْ الدُّعَاءِ وَ قَدْ جَمَعْتُهَا فِیْ جُزْءٍ لٰکِنَّهَا فِیْ قَضَایَا مُخْتَلِفَةٍ فَکُلُّ قَضِیَّةٍ مِّنْهَا لَمْ تَتَوَاتَرْ وَ الْقَدْرُ الْمُشْتَرَکُ فِیْهَا وَ هُوَ الرَّفْعُ عِنْدَ الدُّعَاءِ تَوَاتَرَ بِاِعْتِبَارِ الْمَجْمُوْعِ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبۃ، ج:۲ص:۶۳۱)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً سو حدیثیں ایسی مروی ہیں جن میں دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، میں نے انھیں ایک کتاب میں جمع کیا ہے لیکن یہ بات (یعنی ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ) مختلف الفاظ میں بیان کی گئی ہے، کسی ایک جملے کو لفظاً تواتر حاصل نہیں ہے، البتہ مقدار (یعنی ہاتھ اٹھانے کا ذکر) مشترک ہے لہٰذا مختلف طُرُق (سند کے سلسلوں) کو اکٹھا کرنے سے معنوی تواتر حاصل ہو جاتا ہے۔

غیرِ متواتر (خبرِ آحاد) کی تعریف

جس حدیث میں تواتر کی شروط جمع نہ ہوں اسے ''خبرِ آحاد''اور''غیر متواتر'' کہتے ہیں۔اب چاہےاس کے راوی کئی ہوں یا پھر ایک ہی شخص روایت کرنے والا ہو۔

خبرِ آحاد کی قسمیں

خبرِ آحاد کی تین قسمیں ہیں:

(۱)خبرِ مشہور (۲)خبرِ عزیز (۳)خبرِ غریب

خبرِ مشہور

جس حدیث کے راوی ہر طبقے میں دو سے زائد ہوں لیکن حدِ تواتر سے کم ہوں تو اسے خبرِ مشہور کہتے ہیں۔

خبرِ مشہور کی مثال

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

(مشکوٰۃ المصابیح، ناشر: المکتب الاسلامی بیروت، حصہ اول، ص:۱۰)

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبۃ، حصہ دوم، ص:۶۲۳)

ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دیگر مسلمان سلامت رہیں۔

حدیث مشہور کی ایک مثال وہ حدیث ہے جسے حضرت امام بخاری، حضرت امام مسلم، حضرت امام طبرانی، حضرت امام احمد اور خطیب بغدادی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰـہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا یَّنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَ لٰکِنْ یَّقْبِضُ الْعِلْمَ

بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَتْرُکْ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُ وْسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا. (صحیح مسلم،حصہ چہارم،ص:۲۰۵۸)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں سے یکبارگی علم نہیں اٹھائے گا لیکن اسے اس طرح اٹھائے گا کہ دنیا سے علما کو اٹھا لے گا یہاں تک کہ جب دنیا میں کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے،ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ جاہل پیشوا بغیر علم کے دیں گے،خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس حدیث کو ہر دور میں تین سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہے۔اسی بنیاد پر اسے مشہور کہا جاتا ہے۔اسے اس نقشے سے سمجھیں:

بخاری	مسلم	طبرانی	احمد	خطیب بغدادی	تعداد رُواۃ
ابن ابی اویس	قتیبه بن سعید	محمد بن عمر عن ابیه	عبد اللّٰه عن ابیه	بکر بن صدقة	۵
مالک	جریر	علاء بن سلیمان رقّی	وکیع	عبد اللّٰه بن سعید	۵
هشام بن عروه	هشام بن عروه	زهری	اعمش	موسٰی بن عقبه	۴
عروه	عروه	ابو سلمه	سالم بن ابی الجعد	عروه	۳
عبد اللّٰه بن عمرو	عبد اللّٰه بن عمرو	ابو هریره	زیاد بن لبید	عائشه	۴

خبرِ مشہور کا حکم

اس سے علم طمانیت (اطمینان بخش) حاصل ہوتا ہے اور اس سے ثابت ہونے والے حکم پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

مشہورِ غیرِ اصطلاحی

ایک مشہورِ غیرِ اصطلاحی بھی ہے، جو مذکورہ مشہور کے علاوہ ہے۔ اِس کو اس بنیاد پر مشہور کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں:

(۱) محدثین کے درمیان مشہور ہو۔

مثال: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَدْعُوْ عَلٰى رَعْلٍ وَّ ذَكَوَانَ.

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبیلۂ رعل اور ذکوان کے لیے دعاے ہلاکت فرماتے ہوئے ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت فرمایا۔

(۲) محدثین، علما اور عوام سب کے درمیان مشہور ہو۔

مثال: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ.

ترجمہ: مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔

(۳) فقہا کے درمیان مشہور ہو۔

مثال: اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ.

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔

(۴) اصولیین کے نزدیک مشہور ہو۔

مثال: رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيْ الْخَطَأُ وَ النِّسْيَانُ وَ مَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ.

ترجمہ: میری اُمّت سے بھول چوک اور مجبوراً (مجبور کیے جانے پر) کیے جانے والے گناہ

اٹھا لیے گئے ہیں۔

(۵) جو نحویوں کے درمیان مشہور ہو۔

مثال: نِعۡمَ الۡعَبۡدُ صُهَيۡبٌ لَوۡ لَمۡ يَخَفِ اللّٰهَ لَمۡ يَعۡصِهٖ.

ترجمہ: صُہیب کیا ہی اچھے بندے ہیں، اگر وہ اللہ سے نہ ڈرتے تو اس کی نافرمانی نہ کرتے۔

(۶) جو عوام میں مشہور ہو۔

مثال: اَلۡعَجَلَةُ مِنَ الشَّيۡطٰنِ.

ترجمہ: جلد بازی شیطان کا کام ہے۔

اس قسم کی مشہور احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع وغیرہ ہر طرح کی حدیثیں ہوتی ہیں۔ انھیں اگرچہ مشہور کہا جاتا ہے لیکن ان مشاہیر کا حکم تحقیق و تفتیش کے بعد ہی لگایا جاتا ہے یعنی اگر وہ صحیح ہیں تو انھیں صحیح کا حکم دیا جائے گا، موضوع ہیں تو موضوع کا۔ جیسا کہ مثالِ پنجم کے تعلق سے محدثین نے فرمایا ہے کہ لَا اَصۡلَ لَهٗ یعنی اس کی کوئی اصل نہیں۔

نوٹ: واضح ہو کہ خبرِ واحد اور مشہور کے حوالے سے احناف کی خاص اصطلاحات اور ان کے احکام حصۂ سوم میں مستقل عنوان کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

خبرِ مُستَفِیض

فقہا کی ایک جماعت خبرِ مشہور ہی کو خبرِ مستفیض بھی کہتی ہے، جب کہ دیگر فقہا کے نزدیک خبرِ مستفیض وہ حدیث ہے جس کی سند میں راویوں کی تعداد ابتدا سے انتہا تک برابر ہو یعنی ہر طبقے میں تین یا اس سے زائد راوی ہوں لیکن راویوں کی تعداد ہر طبقے میں ایک جیسی ہو۔ مثلاً شروع سے آخر تک راویوں کی تعداد ۳ ہو یا ۴ ہو یا ۵ ہو۔

خبرِ مشہور اور خبرِ مستفیض میں فرق یہ ہے کہ مستفیض میں سند کے اندر ابتدا سے انتہا

تک راویوں کی تعداد کا برابر ہونا شرط ہے اور مشہور میں محض تین یا اس سے زیادہ رُواۃ کا ہونا شرط ہے، ہر طبقے میں برابر ہونا شرط نہیں۔

خبرِ عزیز

جس حدیث کو ہر دور میں یا کسی دور میں صرف دو ہی افراد روایت کریں اگر چہ دوسرے ادوار میں اس کے کئی راوی ہوں تو اسے خبرِ عزیز کہتے ہیں۔

خبرِ عزیز کی مثال

شیخین (امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ تعالیٰ) نے سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام بخاری نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. (مشکوۃ المصابیح، ناشر: المکتب الاسلامی بیروت، حصہ اول، ص:۱۰)

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیثِ مبارک کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت قتادہ اور عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پھر حضرت قتادہ سے شعبہ اور سعید نے، پھر عبد العزیز سے اسماعیل بن عُلَیَّہ اور عبدالوارث نے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعرج نے اور اعرج سے ابوالزناد نے روایت کیا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اس طرح دورِ صحابہ میں اس کے دو راوی، تابعین میں ۳/ راوی اور تبع تابعین میں ۵/ راوی ہوئے۔

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ سفیر بالریاض، دمشق ج:ا ص:۴۷)

اس مثال کو اس نقشے سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے:

بخاری و مسلم	بخاری و مسلم
شعبه و سعید	اسماعیل بن علیه و عبد الوارث
قتاده	عبد العزیز بن صهیب
انس	انس

بخاری	تعداد رواة
ابو الزناد	۵
اعرج	۳
ابو هريرة	۲

خبرِ عزیز کا حکم

خبرِ عزیز ظن کا فائدہ دیتی ہے لیکن اگر قرائن اور شواہد سے اسے قوت مل جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

نوٹ: ادوار، درجات اور طبقات کی تفصیل مستقل عنوان کے تحت تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں۔

خبرِ غریب

جس حدیث کو ہر دور میں یا کسی دور میں صرف ایک ہی فرد نے روایت کیا ہو تو اسے ''خبرِ غریب'' کہا جاتا ہے۔

خبرِ غریب کی مثال

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ.

ترجمہ: اعمال کادارومدار نیتوں پر ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کرنے میں حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالی عنہ تنہا ہیں۔

(التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر فی أصول الحدیث، ناشر: دارالکتاب العربی، بیروت، ج:۱ص:۸۶)

نوٹ: یہ حدیث اصطلاحِ محدثین میں اگر چہ غریب ہے لیکن احناف کے شرائط کے مطابق مشہور ہے۔

خبرِ غریب کا حکم

خبرِ غریب ظَن کا فائدہ دیتی ہے ہاں اگر اس کی تائید میں قرائن اور شواہد مل جائیں تو اس پر بھی عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

تقسیم سوم باعتبار غرابت

سند کے غریب ہونے کے لحاظ سے حدیث غریب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) فردِ مُطلَق (۲) فردِ نِسبی

فردِ مطلق کی تعریف

وہ حدیث جس کی اصلِ سند میں غرابت (اکیلا پَن) ہو اسے فردِ مطلق کہا جاتا ہے۔ اصلِ سند سے مراد سند کا وہ حصہ ہے جس میں صحابی ہوں۔

فردِ مطلق کی مثال

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سَبْعُوْنَ شُعْبَۃً وَّ الْحَیَآءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ.

(صحیح مسلم، حصہ اول، ص:۶۳)

ترجمہ: ایمان کے ستّر سے زائد درجے ہیں، حیا بھی ایمان کا ایک درجہ ہے۔

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف حضرتِ ابو صالح نے اور ابو صالح سے صرف عبداللہ بن دینار نے روایت کی ہے، لہٰذا جو حضرات اولین طبقے سے (یعنی اصلِ سند میں غرابت سے) تابعین مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ فردِ مطلق میں ہی شمار ہوگی۔ یعنی صحابی (حضرت ابو ہریرہ) اور تابعی (حضرت ابو صالح) دونوں میں تفرّد ہے تو اصلِ سند سے خواہ صحابی مراد ہوں یا تابعی، دونوں اعتبار سے یہ فردِ مطلق کہلائے گی۔

فردِ مطلق کی دوسری مثال

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْوَلَآءُ لُحمَةٌ کَلُحمَةِ النَّسَبِ، لَا یُبَاعُ وَ لَا یُوْھَبُ.

(المعجم الاوسط للطبرانی، حصہ دوم، ص:۸۲)

ترجمہ: وَلا نسبی رشتے کی طرح ایک رشتہ ہے، نہ اسے بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جا سکتا ہے۔

وَلاء وہ رشتہ ہے جو آزاد کردہ غلام اور اس کے آقا کے درمیان آزاد کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب غلام کے ذوی الفروض اور عصباتِ نسبیہ نہ ہوں تو آقا اپنے اُس آزاد کردہ غلام کا وارث بھی ہوتا ہے۔ اس وَلا کو بیچنا اور خریدنا اس لیے ناجائز ہے کہ یہ نسب کے مِثل ہے، تو اس کی تبدیلی نسب کی تبدیلی کی طرح ہوگی اور نسب کی تبدیلی ناجائز و حرام ہے، لہٰذا اس کی تبدیلی بھی ناجائز و حرام ہوگا۔

نوٹ: جو لوگ اصلِ سند سے تابعی مراد لیتے ہیں یہ حدیث صرف اُن کے نزدیک فردِ مُطلق کہلائے گی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب نُزہۃ النظر میں اس حدیث کے تحت ذکر کرتے ہیں کہ یہ فردِ مطلق ہے اس طور پر کہ اس حدیث کو صحابیِ رسول حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صرف ایک تابعی یعنی حضرت عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی روایت کیا ہے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ کبھی کبھی ابتداے سند سے لے کر آخر سند تک یعنی پوری سند میں تفرد واقع ہوتا ہے اس طور پر کہ ہر شیخ سے روایت کرنے والا کوئی ایک ہی تلمیذ ہوتا ہے جیسے مندرجہ ذیل روایت جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف حضرت ابو صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حضرت ابو صالح سے صرف حضرت عبداللہ بن دینار نے روایت کی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّ سِتُّوْنَ شُعْبَۃً وَ الْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ.

(صحیح البخاری، حصہ اول، ص:۱۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو صالح سے اور انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر اور کچھ شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

فردِ نسبی کی تعریف

وہ حدیثِ غریب جس کے درمیانِ سند میں غرابت واقع ہو یعنی صحابی سے روایت کرنے والے راوی تو کثیر ہوں لیکن بیچ سند میں کوئی ایک ہی راوی ہوں۔

فردِ نسبی کی مثال

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَ عَلٰی رَاْسِہِ الْمِغْفَرُ.

(سنن الترمذی، حصہ سوم، ص:۲۵۴)

ترجمہ: ہم سے امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ حضرت ابن شہاب زُہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکۂ معظّمہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر اقدس پر خَوْد (جس کو فوجی ٹوپی کے نیچے پہنتا ہے) تھا۔

اس حدیث کوذکرکرنے کے بعدامام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

هٰـذَا حَـدِيـثٌ حَسَنٌ صَحِيُحٌ لَّا نَعُرِفُ كَبِيُرَ اَحَدٍ رَوَاهُ غَيُرَ مَالِكٍ عَنِ الزُّهُرِيِّ. (ایضًا)

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، ہم نے حضرت ابن شہاب زُہری سے امام مالک کے علاوہ کسی بڑے تابعی کوروایت کرتے نہیں دیکھا۔

موافقتِ الفاظ کے اعتبار سے فردِ نسبی کی قسمیں

راویوں کے روایت کردہ الفاظ حدیث موافق ہونے کے لحاظ سے فردِ نسبی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) مُتابِع (۲) مُتابَع (۳) شاہد

حدیثِ فرد کے جس راوی سے متعلق تفرد کا گمان تھا، اگر چھان بین سے اس کا کوئی موافق مل گیا تو اس موافق کو مُتابِع اور اس موافقت کو مُتابَعت کہتے ہیں۔ متابَعت سے اس ''حدیثِ فرد'' کو تقویت دینا مقصود ہوتا ہے۔

اگر کسی دوسرے صحابی سے ایسا متن مل گیا جو کسی حدیث فرد کے لفظاً و معنًی یا صرف معنًی مشابہ ہو تو اسے شاہد کہا جاتا ہے۔

مُتابِع و متابَع کے اقسام و امثلہ

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر'' میں متابَعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) متابعتِ تامہ

(۲) متابعتِ قاصرہ

اگر خود متفرد راوی کے لیے متابَعت ثابت ہے تو یہ متابعتِ تامّہ ہے۔ اگر اس کے شیخ یا اوپر کے کسی راوی کے لیے ثابت ہے تو یہ متابعتِ قاصرہ ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اَلْاُمُّ'' میں روایت کیا ہے:

مِثَالُ الْمُتَابَعَةِ التَّآمَّةِ مَا رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ فِي الْاُمِّ عَنْ مَالِكٍ عَنْ

عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلشَّھْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ فَلاَ تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ وَلاَ تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلاثِیْنَ.

ترجمہ: امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انھوں نے عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ (کبھی) انتیس دن کا (بھی) ہوتا ہے لہذا جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور چاند دیکھے بغیر روزہ رکھنا ترک نہ کرو اور اگر چاند دکھائی نہ دے تو تیس دن پورے کرو۔

اس حدیث کے بارے میں کچھ لوگوں نے یہ گمان کیا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ امام مالک سے روایت کرنے میں تنہا ہیں، لیکن جب اس حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کی گئی تو اس حدیث کی متابعتِ تامہ، متابعتِ قاصرہ اور شاہد احادیث معلوم ہو گئیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

متابعت تامہ:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ مَسْلَمَۃَ حَدَّثَنَا مَالِکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ" اَلشَّھْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ لَیْلَۃً فَلاَ تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ ثَلاثِیْنَ."

متابعتِ قاصرہ:

حضرتِ ابن خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عاصم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے،

انہوں نے اپنے والد محمد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے ان کے دادا سے اور انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوْا ثَلاثِیْنَ.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ الصباح، دمشق ج:۱ص:۴۷)

ترجمہ: اگر بدلی ہو تو تیس پورے کرلو۔

شاہد:

اسی حدیث کو دوسرے صحابی کی سند سے امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ امامِ نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سند سے حضرتِ محمد بن حنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوْا الْعِدَّۃ ثَلاثِیْنَ.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر بدلی ہو تو تیس پورے کرلو۔

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ الصباح، دمشق ج:۱ص:۴۷)

پہلی تین احادیث کے راوی ایک ہی صحابی ہیں اس لیے پہلی حدیث یعنی امام شافعی کی بیان کردہ مُتابَع، دوسری حدیث جو عبداللہ بن مسلمہ سے مروی ہے وہ متابِع باعتبارِ متابعتِ تامہ، تیسری حدیث جو عاصم بن محمد سے مروی ہے وہ بھی متابِع ہے لیکن باعتبارِ متابعتِ قاصرہ اور آخری حدیث جو امام نسائی نے روایت کی ہے، چوں کہ اس کے صحابی مختلف ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس لیے یہ شاہد ہے۔

حکم

متابِع، متابَع اور شاہد فردِ نسبی کے اقسام ہیں اور فردِ نسبی خبرِ غریب ہی کی قسم ہے، لہٰذا ان کا حکم وہی ہے جو خبرِ غریب کا حکم ہے۔

الفاظ کے اختلاف کے اعتبار سے حدیث کی قسمیں

دوراویوں کے روایت کردہ الفاظ حدیث مختلف ہونے کے لحاظ سے حدیث کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حدیث محفوظ (۲) حدیث شاذ

(۳) حدیث معروف (۴) حدیث منکر

حدیثِ محفوظ وشاذ

اگر ثقہ راوی (جو حدیث کے بارے میں قابل اعتماد ہو) اپنے سے اوثق (جو اس سے بھی زیادہ حدیث کے بارے میں قابل اعتماد ہو) کی مخالفت کرے تو ثقہ کی روایت کو شاذ جبکہ اوثق کی روایت کو محفوظ کہیں گے۔

حدیثِ محفوظ وشاذ کا حکم

شاذ حدیث مردود ہے اور محفوظ حدیث مقبول ہوتی ہے۔

شاذ کی قسمیں

شاذ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) باعتبارِ سند (۲) باعتبارِ متن

شاذ باعتبارِ سند کی مثال

مِثَالُ ذَالِکَ مَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ مِنْ طَرِیْقِ ابْنِ عُیَیْنَۃَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ عَوْسَجَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً تُوُفِّیَ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ

يَدَعْ وَارِثاً اِلَّا مَوْلًى هُوَ اَعْتَقَهُ.

ترجمہ: اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی ونسائی وابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں فوت ہو گئے اور انھوں نے اپنے آزاد کرنے والے آقا کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا۔

اس سے متعلق حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما تحریر فرماتے ہیں:

وَ تَابَعَ ابْنَ عُيَيْنَةَ عَلٰى وَصْلِهِ ابْنُ جُرَيْجٍ وَ غَيْرُهُ وَ خَالَفَهُمْ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ فَرَوَاهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَوْسَجَةَ وَ لَمْ يَذْكُرِ ابْنَ عَبَّاسٍ. قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ: اَلْمَحْفُوْظُ حَدِيْثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ. فَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ مِّنْ اَهْلِ الْعَدَالَةِ وَ الضَّبْطِ وَ مَعَ ذٰلِكَ رَجَّحَ اَبُوْ حَاتِمٍ رِوَايَةَ مَنْ هُمْ اَكْثَرُ عَدَدًا مِّنْهُ.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، ناشر: مطبعۃ الصباح دمشق، حصہ اول، ص: ۸۵۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص: ۲۷۰)

ترجمہ: اس حدیث کو ابن جُرَیج نے ابن عیینہ کی متابعت کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن حماد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سند سے مختلف ایک سند پیش کی ہے جس میں انھوں نے عمرو بن دینار اور عوسجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تو روایت کیا ہے لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ ان دونوں روایتوں میں سے ابو حاتم نے ابن عیینہ کی روایت کو ترجیح دی ہے، یعنی محفوظ قرار دیا ہے اور حماد بن زید جو اگر چہ کردار اور ضبط کے معاملے میں ثقہ راوی ہیں لیکن ابو حاتم نے

ابن عیینہ کی روایت کو ان کی روایت پر کثرتِ تعداد کے باعث ترجیح دی ہے۔

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ الصباح، دمشق حصہ اول، ص:۴۷)

شاذ باعتبارِ متن کی مثال

رَوٰی اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِ الْوَاحِدِ ابْنِ زِیَادٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَرْفُوْعًا اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ فَلْیَضْطَجِعْ عَنْ یَّمِیْنِہٖ.

ترجمہ: امام ابوداود وترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی نماز فجر ادا کر چکے تو اسے چاہیے کہ اپنے دائیں پہلو کے بل لیٹ جائے۔ (جبکہ سونا یا آرام کرنا چاہے)

عبدالواحد کی یہ روایت شاذ ہے کہ کیونکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں عبدالواحد نے کثیر راویوں کی مخالفت کی ہے کیونکہ جو کثیر تعداد میں لوگوں نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ فجر کے بعد دائیں کروٹ پر سونا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل ہے نہ کہ آپ کا ارشاد، امامِ اعمش کے ثقہ شاگردوں میں صرف عبدالواحد ہی ایسے شخص ہیں جو اس حدیث کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے طور پر روایت کررہے ہیں (جبکہ ان کے باقی شاگرد اس کو آپ کے عمل کے طور پر روایت کرتے ہیں) لہٰذا عبدالواحد کی حدیث شاذ اور باقی راویوں کی حدیث محفوظ ہوگی۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبۃ، ج:ا ص:۲۷۱)

حدیثِ معروف ومنکر

جب ضعیف راوی الفاظ حدیث میں اپنے سے ارجح (یعنی جواس ضعیف سے بہتر ہواس) کی مخالفت کرے تو ضعیف کی روایت کو''منکر''جبکہ ارجح کی روایت کو''معروف'' کہیں گے۔

معروف ومُنکر کی مثال

رَوَی ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ مِّنْ طَرِیْقِ حُبَیِّبِ بْنِ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنِ الْعَیْزَارِ بْنِ حُرَیْثٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَقَامَ الصَّلَاۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ حَجَّ الْبَیْتَ وَصَامَ وَقَرَی الضَّیْفَ دَخَلَ الْجَنَّۃَ.

ترجمہ:حضرت ابن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حُبَیِّب بن حَبِیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ حمزہ بن حبیب الزیات المقری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہیں) سے،انھوں نے ابواسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے،انھوں نے عیزار بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور بیت اللہ کا حج کیا اور روزہ رکھا اور مہمان کی مہمان نوازی کی وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

اس حدیث کے تعلق سے علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ: ھُوَ مُنْکَرٌ لِاَنَّ غَیْرَہٗ مِنَ الثِّقَاتِ رَوَاہُ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ مَوْقُوْفًا وَ ھُوَ الْمَعْرُوْفُ.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر،ناشر:مطبعۃ الصباح دمشق،حصہ اول،ص:۲۱۴)

ترجمہ: ابوحاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے کیونکہ حبیب (جوکہ ضعیف ہیں) ان کے علاوہ دیگراور بھی ثقہ راویوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، لیکن ہر کسی نے اسے صحابیِ رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً بیان کیا ہے، صرف انہوں نے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہوئے اس روایت کومرفوع بیان کیا ہے۔

معروف ومنکر کا حکم

حدیثِ معروف مقبول ہوتی ہے جب کہ مُنکَر مردود ہوتی ہے۔

منکراور شاذ میں فرق

شاذ کی تعریف اور مثال سے واضح ہوگیا کہ شاذ وہ حدیث ہوتی ہے جسے کوئی ثقہ (قابل اعتماد راوی) بیان کررہا ہولیکن اس کی یہ حدیث اپنے سے بھی زیادہ کسی قابل اعتماد راوی کی بیان کردہ حدیث کے خلاف مفہوم پیش کررہی ہو، اس کے برعکس منکر وہ حدیث ہوتی ہے جسے ضعیف راوی بیان کرتا ہے اور وہ ثقہ راویوں کی حدیث کے خلاف ہوتی ہے، اس سے یہ جان لینا چاہیے کہ منکراور شاذ احادیث میں یہ بات مشترک ہے کہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہوتی ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ شاذ کا راوی ثقہ ہوتا ہے اور منکر کا راوی ضعیف ہوتا ہے۔

(مع اضافہ ماخوذ از نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ سفیر بالریاض، دمشق ج: ا ص: ۸۷)

تقسیم چہارم باعتبار قوت وضعف

سند کے قوی اور ضعیف ہونے (قابل استدلال ہونے اور نہ ہونے) کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں: **(۱) خبرِ مقبول** **(۲) خبرِ مردود**

خبرِ مقبول

جس حدیث کو زیادہ تر لوگوں نے ثابت مانا ہو۔

فائدہ: اس حدیث کو محدثین جیّد، قوی، صالح، محفوظ اور معروف بھی کہتے ہیں۔

خبرِ مقبول کا حکم

احکام میں قابلِ دلیل ہے اور لائقِ عمل ہے۔

خبرِ مردود

جس حدیث میں قبولیت کی کل یا بعض شرطیں نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ثبوت راجح نہ ہو۔ اس حدیث کو ضعیف بھی کہتے ہیں۔

خبر مردود کے احکام اس کی قسموں کے احکام کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔

مقبول اور مردود کا مطلب کیا ہے؟

لفظِ مردود سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ احادیثِ مردودہ لائقِ عمل ہی نہیں بلکہ مردود ہونے کا مطلب صرف اِتنا ہے کہ وہ احادیث ثبوت کی پختگی میں مقبول سے کم ہیں۔ اسی طرح مقبول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی تمام قسموں پر عمل ہوگا بلکہ اس کی قسموں میں سے منسوخ اور مختلف الحدیث غیر ممکن الجمع پر عمل نہیں ہوتا ہے۔ مقبول کا مطلب صرف اِتنا ہے کہ اس کا ثبوت زیادہ قوی ہے۔

فرقِ مراتب کے اعتبار سے حدیث مقبول کی قسمیں

فرق مراتب (راوی کی صفات) کے لحاظ سے حدیث مقبول کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حدیثِ صحیح لذاتہٖ (۲) حدیثِ صحیح لغیرہٖ

(۳) حدیثِ حَسَن لذاتہٖ (۴) حدیثِ حَسَن لغیرہٖ

حدیثِ صحیح لذاتہٖ

جس حدیث کے تمام راوی۔۔۔۔۔

(۱) عادل (کِذب، اِتّہامِ کِذب، فِسق اور بدعت و جہالت سے پاک) ہوں۔

(۲) ضابط (فرطِ غلط، کثرتِ غلط، سُوءِ حفظ، وہم اور مخالفت ثقات سے محفوظ) ہوں۔

جس کی سند۔۔۔۔۔

(۳) مُتّصِل (جس میں ابتدا سے انتہا تک کوئی راوی ساقط نہ ہو) ہو۔

وہ حدیث۔۔۔۔۔

(۴) غیر مُعَلّل (جس حدیث میں علتِ قادحہ نہ ہو) ہو۔

(۵) غیر شاذ ہو۔

تو اسے ''حدیثِ صحیح لذاتہٖ'' کہا جاتا ہے۔

نوٹ: (۱) مذکورہ پانچ چیزیں صحیح لذاتہٖ کے لیے شرط کی منزل میں ہیں۔ اگر کسی روایت میں ان شرائط میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو تو وہ حدیث ''صحیح لذاتہٖ'' نہیں۔

(۲) عدالت، ضبط، اتّصال وغیرہ مذکورہ بالا اصطلاحات کی توضیحات حصۂ سوم میں بعنوان ''راویوں کی قبولیت کے شرائط'' پیش کی گئی ہیں۔

حدیثِ صحیح لذاتہٖ کا حکم

حدیث صحیح لذاتہٖ پر عمل کرنا واجب ہے۔

حدیثِ صحیح لذاتہٖ کی مثال

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ یُوْسُفَ قَالَ اَخْبَرَنَا مَالِکٌ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِی الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ.

(صحیح البخاری، ناشر: دارطوق النجاۃ، حصہ اول، ص:۱۵۳)

ترجمہ: ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا فرماتے ہیں کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی، وہ ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں اور ابن شہاب محمد بن جُبیر بن مُطعِم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ ان کے والد نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت کرتے سنا۔

حدیثِ صحیح لغیرہٖ

وہ حدیث جس کے راویوں میں صحیح لذاتہٖ کی تمام شرائط پائی جائیں (یعنی اس کا راوی عادل (قابل اعتماد) ہو، حدیث کی سند متصل ہو اور اس حدیث میں علتِ قادحہ نہ ہو) لیکن ضبطِ روایت میں کچھ کمی ہو اور وہ کمی تعددِ طرق (کئی اسناد سے مروی ہونے) سے دور ہو جائے، اس حدیث کو ''صحیح لغیرہٖ'' کہا جاتا ہے کیوں کہ اس کا صحیح ہونا اپنی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری سند کی وجہ سے ہے۔

حدیث صحیح لغیرہٖ کی مثال

حافظ ابن صلاح ''مقدمۃ ابن صلاح'' میں لکھتے ہیں:

مِثَالُهٗ حَدِيْثُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ.

ترجمہ: اس کی مثال حضرتِ محمد بن عمرو سے روایت (کردہ یہ حدیث) ہے، وہ حضرت ابوسلمہ سے اور ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے لیے مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

اس کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں:

فَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ مِنَ الْمَشْهُوْرِينَ بِالصِّدْقِ وَالصِّيَانَةِ لٰكِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ مِّنْ اَهْلِ الْاِتْقَانِ حَتّٰى ضَعَّفَهٗ بَعْضُهُمْ مِنْ جِهَةِ سُوْءِ حِفْظِهٖ وَ وَثَّقَهٗ بَعْضُهُمْ لِصِدْقِهٖ وَ جَلَالَتِهٖ فَحَدِيْثُهٗ مِنْ هٰذِهِ الْجِهَةِ حَسَنٌ فَلَمَّا انْضَمَّ اِلٰى ذٰلِکَ كَوْنُهٗ رُوِیَ مِنْ اَوْجُهٍ اُخَرَ زَالَ بِذٰلِکَ مَا كُنَّا نَخْشَاهُ عَلَيْهِ مِنْ جِهَةِ سُوْءِ حِفْظِهٖ وَانْجَبَرَ بِهٖ ذٰلِکَ النَّقْصُ الْيَسِيْرُ فَصَحَّ هٰذَا الْاِسْنَادُ وَالْتَحَقَ بِدَرَجَةِ الصَّحِيْحِ.

(معرفۃ انواع علوم الحدیث المعروف بمقدمۃ ابن الصلاح، ناشر: دار الکتب العلمیۃ حصہ اول، ص:۱۰۴)

ترجمہ: اس حدیث کے راوی محمد بن عمرو بن علقمہ صدق وصفا میں تو مشہور ہیں لیکن وہ حدیث کی حفاظت میں زیادہ ماہر نہ تھے بلکہ کچھ کمزور تھے، اسی لیے بعض محدثین نے ان کو ان کے سُوءِ حفظ یعنی یادداشت کی کمزوری کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد کہا ہے اور بعض نے ان کے صدق اور علمی شان کی وجہ سے انھیں قابلِ اعتماد بتایا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے ان کی

حدیث حسن ہے، لیکن اس حدیث کے کئی اور اسناد سے مروی ہونے کی وجہ سے وہ کمی دور ہوگئی جو کہ راوی میں سُوءِ حفظ کے سبب پیدا ہوئی تھی اور اس حدیث میں جو معمولی نقصان پہلے تھا اس کی تلافی ہوگئی، تو یہ حدیث ''صحیح لغیرہٖ'' کے مرتبے پر پہنچ گئی۔

صحیح لغیرہٖ کا حکم

حدیث صحیح لغیرہٖ لائقِ احتجاج اور واجبُ العمل ہوتی ہے۔

حدیثِ حَسَن لِذاتِہٖ

جس حدیث کے راوی میں صحیح لذاتہٖ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہوں صرف ضبطِ راوی میں کچھ کمی ہو اور یہ کمی کسی ذریعے سے پوری بھی نہ ہو سکے۔ یعنی جس حدیث کی سند متصل اور راوی عادل ہوں، ساتھ ہی ساتھ یہ شاذ نہ ہو اور نہ ہی معلل ہو لیکن ضبطِ روایت میں کچھ کمی ہو اور یہ کمی کسی اور ذریعے سے پوری نہ ہو سکے، اس حدیث کو ''حدیثِ حسن لذاتہٖ'' کہا جاتا ہے۔

حدیثِ حسن لذاتہٖ کی مثال

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ اَبِيْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ اَبِيْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ بِحَضْرَةِ الْعَدُوِّ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ.

(سنن الترمذی، ناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی مصر، ج:۴، ص:۱۸۶)

ترجمہ: حضرت قتیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سندِ مذکور کے ساتھ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے دشمن کی موجودگی میں

اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں، یہ حدیث حسن لذاتہ ہے کیونکہ اس کے راویوں میں سے چار تو ثقہ ہیں اور جعفر بن سلیمان الضبعی کے ضبط میں کچھ کمی ہے اور یہ کمی کسی اور ذریعے سے پوری نہ ہوسکی، اس وجہ سے یہ حدیث صحیح کے درجے سے کم ہو کر حسن کے درجے میں آجاتی ہے۔

حدیثِ حسن لذاتہ کا حکم

یہ حدیث صحیح سے مرتبے میں کم ہوتی ہے لیکن قابلِ استدلال اور واجب العمل ہوتی ہے۔

حدیثِ حسن لغیرہٖ

ایسی حدیثِ ضعیف جس کا ضعف (یعنی کمزوری) تَعَدُّدِ طُرُق (یعنی مختلف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ) سے دور ہو جائے اسے ''حدیثِ حسن لغیرہٖ'' کہا جاتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کے ضُعف کا سبب راوی کا فاسق یا جھوٹا ہونا نہ ہو۔

حدیثِ حسن لغیرہٖ کی مثال

عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ امْـرَاَةً مِّـنْ بَنِيْ فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَـلَّـى الـلّٰـهُ تَـعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَضِيْتِ مِنْ نَّفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ؟ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَ.

ترجمہ: عاصم بن عبید اللہ مذکورہ سند سے روایت کرتے ہیں کہ بنو فزارہ کی ایک خاتون نے دو جوتوں کے عوض نکاح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان خاتون سے دریافت فرمایا کہ کیا تم اپنے نفس اور مال کے بدلے میں دو جوتوں کے معاوضہ پر راضی

ہو؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں۔ تو آپ نے نکاح کی اجازت دے دی۔

اس حدیث کے ایک راوی عاصم بن عبید اللہ سوءِ حفظ کی وجہ سے ضعیف ہیں لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہے، اس لیے حسن لغیرہ ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو دیگر سندوں کے ذریعے سیدنا عمر، ابو ہریرہ، عائشہ اور ابو حَدرَد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت کیا ہے۔ اگرچہ عاصم بن عبید اللہ احادیث یاد رکھنے کے معاملے میں کمزور ہیں لیکن دوسری اسناد کے باعث ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبۃ، ج:۱ص:۱۹۳)

حدیثِ حسن لغیرہ کا حکم

یہ حدیث بھی قابل استدلال اور واجب العمل ہوتی ہے۔

صحیح الاِسناد اور حسن الاسناد کا مطلب

بعض اوقات محدثین ''یہ حدیث صحیح ہے'' کہنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ ''یہ حدیث صحیح الاسناد ہے''اسی طرح کبھی وہ ''یہ حدیث حسن ہے'' کہنے کے بجائے یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ''حسن الاسناد ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی اِسناد صحیح یا حسن ہے اور متن کے معلّل یا شاذ ہونے کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی گئی ہے۔

جب وہ یہ کہیں کہ ''یہ حدیث صحیح ہے'' تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس میں حدیث کے صحیح ہونے کے پانچوں شرائط پائے جاتے ہیں اور جب یہ کہا جائے کہ ''یہ حدیث صحیح الاسناد ہے'' تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کے تین شرائط پورے طور پر ہیں یعنی اتصالِ سند، ضبطِ رُواۃ اور عدالتِ رُواۃ جب کہ دو شرائط یعنی شُذوذ کا نہ ہونا اور علّت کا نہ ہونا معلوم نہیں۔

اصحّ الاسانید

کسی سندِ خاص سے متعلق اصح الاسانید (یعنی سب سے زیادہ صحیح سند) کہنے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس محدث کے نزدیک جس سند کا زیادہ راجح ہونا ظاہر ہوا، اس نے اسے اصح الاسانید کہہ دیا۔ مثلاً:

☆ حضرت ابو اسحاق بن راہُویَہ اور حضرت امام احمد بن حنبل نے

''زُھری عَن سالِم عن اَبِیه (عبد اللّٰہ بن عمر)''

کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔

☆ علی بن مدینی اور فلاّس نے

''محمد بن سیرین عن عَبِیدة عن علی''

کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔

☆ حضرت یحییٰ بن معین نے

''اَعمَش عن ابراھیم عن عَلقَمة عن عبد اللّٰہ بن مسعود''

کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔

☆ حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ نے

''زُھری عَن علی بن حسین عن ابیه عن علی''

کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔

☆ حضرت امام بخاری نے

''مالک عن نافع عن ابن عمر''

کو اصح الاسانید قرار دیا ہے۔

باعتبارِ عمل مقبول کی قسمیں

باعتبارِ عمل حدیث مقبول کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معمول بِہٖ (۲) غیر معمول بِہٖ

پھر معمول بہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مُحکَم (۲) ناسخ

غیر معمول بہ کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۳) مختلِفُ الحدیث (۴) منسوخ

مُحکَم

ایسی حدیث جو اختلافات سے پاک ہو یعنی اس جیسی کوئی دوسری مقبول حدیث اس کے معارض نہ ہو تو اسے ''محکم'' کہتے ہیں۔

محکم کی مثال

اِنَّ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْنَ یُشَبِّھُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ.

(صحیح مسلم، ناشر: دار احیاء التراث العربی بیروت، حصہ سوم، ص: ۱۶۶۷)

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالی کی مخلوق کی تصویریں بناتے ہیں۔

محکم کا حکم

اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

مختلِف الحدیث

ایسی حدیث جس کے معارض (یعنی اس کے مقابل میں) اسی کے مثل کوئی دوسری مقبول حدیث ہو لیکن ان دونوں کا تعارض یعنی اختلاف دور کر کے ان کو جمع کرنا ممکن ہو۔

مختلف الحدیث کا حکم

ایسی دونوں حدیثیں جن میں تطبیق ممکن ہو ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے۔

مختلف الحدیث کی مثال

ایک حدیث میں فرمایا گیا: لاَ عَدْوٰی وَلاَ طِیَرَۃَ. کوئی بھی مرض متعدی نہیں یعنی ایک کی وجہ سے دوسرے کو بیماری نہیں لگتی اور نہ ہی بدفالی (کوئی چیز) ہے، جبکہ دوسری حدیث میں فرمایا گیا: فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَکَ مِنَ الْاَسَدِ. مجذوم سے اس طرح بھاگ جس طرح تو شیر سے بھاگتا ہے، یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور بظاہر ان میں تعارض ہے کیوں کہ پہلی حدیث مرض کے متعدی ہونے یعنی پھیل کر لگنے کی نفی کر رہی ہے جب کہ دوسری بظاہر اسی مرض کے متعدی ہونے کو ثابت کر رہی ہے لیکن محدثین نے متعدد طریقوں سے اِن حدیثوں کے تعارض کو دور کر کے ان کے درمیان تطبیق و موافقت پیدا کی ہے۔

تضاد کو دور کرنے کی صورت

ان دونوں احادیث کا تضاد اس طرح سے دور کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ کسی کو کسی دوسرے کا مرض نہیں لگتا اور دوسری حدیث میں مجزوم سے بچنے کا حکم دیا ہے۔تو پہلا حکم یعنی مرض کا دوسرے کو نہ لگنا یہ قوی الاعتقاد کے لیے ہے اور دوسرا حکم یعنی کوڑھ کے مرض میں مبتلا شخص سے دور رہنے کا حکم احتیاطی تدبیر کے طور پر اس شخص کے لیے ہے جس کا اعتقاد ضعیف ہو اس لیے کہ کمزور ایمان والے شخص کو

بیمار کے پاس بیٹھنے سے اگر وہ مرض اس کے اندر بھی پیدا ہو جائے تو شیطان اس کو بدعقیدگی میں مبتلا کر سکتا ہے کہ مرض اُڑ کر کے دوسرے کو لگ جاتا ہے اور یہ اعتقاد حدیث کے خلاف ہے، لہٰذا ایسے ضعیف الاعتقاد کو مریض سے بچنے کا حکم دیا گیا تا کہ اس کا عقیدہ اس حدیث کے خلاف نہ ہو جائے جس کی وجہ سے اس کے ایمان میں خلل پیدا ہو جائے۔

ناسخ ومنسوخ

جو حدیث کسی دوسری حدیث میں دیے گئے حکم کو منسوخ کر دے (اُٹھا دے) اسے ''ناسخ'' اور جس کا حکم ختم کرے اس حدیث کو ''منسوخ'' کہا جاتا ہے۔ حدیثِ ناسخ ومنسوخ کی مثالیں آگے ذکر کی جائیں گی۔

تنبیہ: نسخ دراصل حکمِ اول کی مدت کا بیان ہوتا ہے کہ یہ حکم اتنی ہی مدت کے لیے تھا اور اب سے دوسرا حکم ہے۔ نسخ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلا حکم باطل ہو گیا، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم باطل نہیں ہو سکتا۔

مختلف احادیث کے ساتھ ان مراحل میں معاملہ کیا جائے گا

(۱) اگر دو حدیثوں کے درمیان تضاد ہے، لیکن کسی طرح تضاد کو ختم کر کے دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو اس تضاد کو ختم کر کے ان پر عمل کیا جائے گا۔
لیکن اگر مضبوط وجوہات کی بنیاد پر انھیں جمع کرنا ناممکن ہو تو اس صورت میں مندرجہ ذیل معاملات کیے جائیں گے:

(۲) ناسخ حدیث (یعنی حکم کو ختم کرنے والی حدیث) اور منسوخ حدیث (یعنی جس حدیث کا حکم ختم ہو رہا ہے) کا تعین کیا جائے گا، پھر ناسخ حدیث پر عمل کیا جائے گا

اور منسوخ حدیث کو ترک کر دیا جائے گا۔

(۳) پھر اگر ناسخ و منسوخ حدیث کی تعیین نہ ہو پائے تو ان میں سے کسی ایک حدیث کو ترجیح دینے کی کوشش کی جائے گی، ترجیح دینے کے کچھ اصول ہیں جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچتی ہے، پھر جب دونوں میں سے کسی ایک حدیث کو ترجیح حاصل ہو جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

(۴) اگر ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دینا بھی ممکن نہ ہو تو پھر ہم اس وقت تک ان دونوں احادیث پر عمل نہ کریں گے جب تک کہ وجوہِ جمع کی روشنی میں دونوں کے درمیان جمع کی صورت نہ پیدا کر لی جائے۔ اگر جمع کی صورت بھی ناممکن ہو تو توقّف کیا جائے۔

ناسخ و منسوخ کا حکم

ان احادیث کریمہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی ذریعے سے نسخ کا علم ہو جائے تو ناسخ پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ کو چھوڑ دیا جائے گا۔

نوٹ: وجوہِ نسخ، وجوہِ ترجیح اور وجوہِ جمع کی تفصیلات حصۂ سوم میں اِنھیں عناوین کے ساتھ ترتیب وار پیش کی گئی ہیں۔

خبرِ مردود کی صورتیں

کسی خبر کے مردود ہونے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) سند سے کوئی راوی ساقط ہو۔

(۲) کسی راوی پر طعن ہو۔

سقوطِ راوی کے لحاظ سے خبرِ مردود کی قسمیں

سند سے راوی کے ساقط ہونے کے لحاظ سے حدیث مردود کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) مُعلَّق (۲) مُرسَل (۳) مُعضَل

(۴) مُنقطع (۵) مُدَلَّس (۶) مرسل خفی

مُعلَّق

جس حدیث میں سند کی ابتدا سے کوئی راوی ساقط ہو تو اسے حدیثِ معلّق کہتے ہیں، اس کی ایک صورت یوں بھی ہے کہ کثیر راویوں یا پورے راویوں کو حذف کر دیا جائے۔

حدیثِ معلق کی صورتیں

۱) پوری کی پوری سند کو غائب کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مثلاً یوں حدیث بیان کی جائے، **قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذَا** (سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوں فرمایا)۔

۲) صحابی یا صحابی و تابعی کے علاوہ تمام راویوں کو حذف کر دیا جائے، مثلاً امام بخاری نے ''پنڈلی'' سے متعلق باب کے مقدمے میں یہ روایت نقل کی ہے:

قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی غَطَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُکْبَتَیْہِ حِیْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ.

ترجمہ: سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرے میں داخل ہوئے تو آپ نے اپنی پنڈلی کو کپڑے سے ڈھانپ لیا۔

یہ حدیث معلق ہے کیونکہ امام بخاری نے تمام راویوں کو حذف کر کے صرف صحابی رسول ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔

حدیث معلّق کا حکم

حدیث معلّق کو رَد کر دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں صحیح کی شرط اتصالِ سند نہیں پائی جا رہی ہے کیوں کہ حدیث کی اس قسم میں ایک یا کئی راوی ساقط ہوتے ہیں جس کے سبب یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ ساقط ہونے والا راوی قابلِ اعتماد تھا یا نہیں۔

نوٹ: صحیح بخاری کی معلّق حدیث کا حکم اس سے الگ ہے، ان کی حدیثِ معلّق کو بھی حدیثِ متصل میں شمار کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ امام بخاری نے جسے تعلیقاً ذکر کیا ہے اسے کہیں نہ کہیں متصلاً (پوری سند کے ساتھ) بھی ذکر کر دیا ہے۔

مُرسَل

جس حدیث میں سند کی انتہا میں تابعی کے بعد والے راوی یعنی صحابی کو حذف کر کے اسے براہِ راست سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا جائے اسے حدیثِ ''مرسل'' کہا جاتا ہے۔

مرسل کی مثال

امام مسلم اپنی صحیح میں کتاب البیوع میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنِیُ مُحَمَّدُ بُنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا حُجَیُنُ بُنُ الُمُثَنّٰی حَدَّثَنَا اللَّیُثُ عَنُ عُقَیُلٍ عَنِ ابُنِ شِهَابٍ عَنُ سَعِیُدِ بُنِ الُمُسَیّبِ اَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیُهِ وَسَلَّمَ نَهی عَنُ بَیُعِ الُمُزَابَنَةِ.

ترجمہ: حضرت محمد بن رافع حضرت حُجین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ لیث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ ابن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ (یعنی تازہ کھجوروں کو چھوہاروں کے بدلے بیچنے) سے منع فرمایا۔

اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیّب (جو کہ تابعی ہیں) نے براہ راست سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور درمیان میں موجود صحابی کا نام ذکر نہیں کیا۔

مرسل حدیث کے قبول ورد کرنے کے بارے میں محدثین کے مذاہب

۱) جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حدیث میں توقف کیا جائے گا، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں حذف کردہ راوی کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہ صحابی نہ ہو بلکہ کوئی تابعی ہو کیونکہ تابعی بھی دوسرے تابعی سے روایت کرتے ہیں اور تابعین میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔

۲) مرسل حدیث صحیح ہے اور قابل حجت ہے، یہ تین بڑے ائمہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک ثقہ تابعی صرف اسی صورت میں کسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر سکتے ہیں جب کہ انھوں نے خود کسی ثقہ یعنی قابلِ اعتماد شخص

سے یہ حدیث سنی ہوگی، کیونکہ اگر وہ شخص ثقہ نہ ہوتے تو یہ راوی کبھی بھی حدیث کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرتے۔

۳) مرسل حدیث اس وقت قابل قبول ہوگی جب کسی دوسری حدیثِ مرسل یا مسند سے اس کی تائید ہوجائے، یہ امام شافعی اور بعض دیگر محدثین کا مذہب ہے۔

نوٹ: محدثین کے نزدیک یہ مذاہب اس صورت میں ہیں جبکہ اس راوی کے بارے میں صحیح طور سے علم ہو کہ وہ ثقات یعنی قابل اعتماد لوگوں سے ہی روایت کرتے ہیں اور اگر وہ ہر قسم کے راویوں سے ارسال کرتے ہیں، تو کسی کے نزدیک اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ احناف کا مذہب زیادہ راجح ہے، اس لیے کہ جب وہ راوی ثقہ ہیں تو ان کا اِرسال مقبول ہوگا ورنہ ان کے ثقہ ہونے پر شک ہوگا اور یہ خلافِ مفروض ہے۔

مُعضَل

جس حدیث کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی پے در پے یعنی مسلسل اور یکے بعد دیگرے ساقط ہوں تو اسے ''حدیثِ معضل'' کہتے ہیں۔

حدیثِ معضل کی مثال

امامِ حاکم اپنی کتاب'' معرفۃ علوم حدیث'' میں اپنی سند سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جو امامِ مالک رحمہ اللہ تعالی سے مروی ہے:

بَلَغَنِیْ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَ كِسْوَتُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَا یُكَلَّفُ مِنَ الْاَعْمَالِ اِلَّا مَا یُطِیْقُ هٰذَا مُعْضَلٌ

اَعْضَلَهُ عَنْ مَالِكٍ هٰكَذَا فِي الْمُوَطَّا إِلَّا اَنَّهُ قَدْ وَصَلَ عَنْهُ خَارِجَ الْمُوَطَّا.

ترجمہ: امامِ مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑے دیئے جائیں اور اسے اس کی طاقت بھر کاموں کا ہی ذمہ دار بنایا جائے۔

اس حدیث کی سند میں حضرت امامِ مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان دو راوی محذوف ہیں، اس لیے یہ حدیث معضل ہے کیونکہ حقیقت میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے اپنے والد عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۳۷)

حدیثِ معضل کا حکم

یہ حدیث ضعیف شمار ہوتی ہے اور اس کا رتبہ مرسَل کے بعد ہوتا ہے۔

مُنقَطِع

جس حدیث کی سند کے درمیانی حصے سے ایک راوی یا متعدد جگہوں سے کئی راوی ساقط ہوں اسے ''حدیثِ منقطع'' کہتے ہیں۔

امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَاَكْثَرُ مَا يُسْتَعْمَلُ فِي رِوَايَةِ مَنْ دُوْنَ التَّابِعِيِّ عَنِ الصَّحَابِيِّ كَمَالِكٍ عَنِ ابْنِ عُمر. (تدریب الراوی، ص:۲۳۵)

ترجمہ: اکثر اوقات منقطع اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں کسی صحابی سے روایت کرنے والے تابعی کو حذف کر دیا جائے جیسے امام مالک (درمیانی تابعین کو چھوڑ کر) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے لگیں۔

(واضح رہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات ۷۴ھ میں ہوگئی تھی جب کہ امامِ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیدائش ۹۰ھ میں ہوئی ہے، لازمی طور پر ان کے درمیان ایک یا دو تابعین موجود ہوں گے۔)

حدیثِ مُنقَطِع کی مثال

رَوَی عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ الثَّوْرِیِّ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ زَیْدِ بْنِ یُثَیْعٍ عَنْ حُذَیْفَةَ مَرْفُوْعاً اِنْ وَّلَّیْتُمُوْهَا اَبَابَکْرٍ فَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ.

ترجمہ: حضرت عبد الرزاق نے حضرت سفیان ثوری سے روایت کی ہے، وہ حضرت ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں، وہ زید بن یُثَیع سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت حُذیفہ سے مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ اگر تم ابوبکر کو اپنا حاکم بنالو تو وہ قوت والے اور دیانت دار شخص ہیں۔

امام ابوحاکم فرماتے ہیں:

هٰذَا اِسْنَادٌ لَا یَتَاَمَّلُهٗ مُتَاَمِّلٌ اِلَّا عَلِمَ اتِّصَالَهٗ وَ سَنَدَهٗ فَاِنَّ الْحَضْرَمِیَّ وَ مُحَمَّدَ بْنَ سَهْلِ بْنِ عَسْکَرٍ ثِقَتَانِ وَ سَمَاعُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ مِنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ وَ اشْتِهَارُهٗ بِهٖ مَعْرُوْفٌ وَّ کَذٰلِکَ سَمَاعُ الثَّوْرِیِّ مِنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ وَ اشْتِهَارُهٗ بِهٖ مَعْرُوْفٌ وَ فِیْهِ انْقِطَاعٌ فِیْ مَوْضِعَیْنِ فَاِنَّ عَبْدَ الرَّزَّاقِ لَمْ یَسْمَعْهُ مِنَ الثَّوْرِیِّ وَ الثَّوْرِیُّ لَمْ یَسْمَعْهُ. (معرفۃ علوم الحدیث، حصہ اول، ص:۲۸)

ترجمہ: یہ ایسی اسناد ہے جس میں ہر غور کرنے والے کو ایسا لگے گا کہ یہ متصل اور مسند ہے اس لیے کہ حضرمی اور محمد بن سہل بن عسکر دونوں ثقہ ہیں اور حضرت عبدالرزاق کے حضرت سفیان سے سننے اور اس سماعت کے ساتھ مشہور ہونے کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے، اسی طرح حضرت سفیان ثوری کے ابو اسحاق سے سننے اور اس سننے کے ساتھ مشہور ہونے کے بارے میں بھی ہر کسی کو معلوم ہے حالاں کہ اس روایت میں دو جگہ انقطاع ہے، اس طور پر کہ عبدالرزاق نے اسے سفیان ثوری سے خود نہیں سنا ہے اور نہ ہی حضرت ثوری نے اسے ابواسحاق سے سنا ہے۔ بلکہ سفیان ثوری نے اس حدیث کو شریک سے سنا ہے اور شریک نے ابواسحاق سے اور وہ درمیان سے ساقط ہیں اس لیے یہ حدیث منقطع ہے۔

منقطع کا حکم

راویِ غیر مذکور کا حال معلوم نہ ہونے کے سبب ضعیف شمار ہوتی ہے۔

مُدَلَّس

جس حدیث کا راوی اپنے اس شیخ کا نام نہ لے جس سے اس نے حدیث سنی ہے بلکہ اس سے اوپر کے اس شیخ کا نام لے جس سے اس نے حدیث نہ سنی ہو اور روایت میں ایسا لفظ استعمال کرے جس سے یہ شبہ پیدا ہو کہ یہ حدیث اس نے اسی راوی سے سنی ہے۔ اس صورت میں راوی کو مُدَلِّس، اس کی روایت کردہ حدیث کو مُدَلَّس اور اس کے اس عمل کو تدلیس کہتے ہیں:

مُدَلَّس کی قسمیں

(۱) مدلَّس الِا سناد (۲) مدلَّس الشیخ

مُدَلَّس الِا سناد

وہ حدیث جس کو راوی اپنے شیخ سے روایت کر رہا ہو، حالانکہ اس نے اس شیخ سے کوئی حدیث نہیں سنی لیکن وہ اس حدیث کو یہ بتائے بغیر روایت کر رہا ہو کہ اس نے اس حدیث کو اس شیخ سے نہیں سنا ہے، بلکہ ایسا لفظ استعمال کر رہا ہو جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ اس نے یہ حدیث اسی سے سنی ہے تو ایسی حدیث ''مدلس الا سناد'' کہلاتی ہے۔

مدلس الا سناد کی مثال

قَالَ ثَنَا عَلِیُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَال قَالَ لَنا ابْنُ عُیَیْنَۃَ عَنِ الزُّھْرِیِّ فَقِیْلَ لَـہٗ سَـمِـعْتَہٗ مِنَ الزُّھْرِیِّ فَقَالَ لا وَلَا مِـمَّـنْ سَمِعَہٗ مِنَ الزُّھْرِیِّ حَدَّثَنِیْ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ.

ترجمہ: حاکم نے اپنی سند سے علی بن خشرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی، ان سے پوچھا گیا کیا آپ نے یہ حدیث خود زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے؟ وہ کہنے لگے نہیں، میں نے نہ تو یہ زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے جس نے زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے، یہ حدیث عبدالرزاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے، اس مثال میں ابن عینیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اور زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان دو واسطے حذف کر دیے ہیں۔ (معرفۃ علوم الحدیث، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۱۰۴)

مُدلَّس الشیخ

جس حدیث کا راوی اپنے شیخ سے روایت نقل کرے لیکن اس کے لیے کوئی غیر معروف نام، لقب، کنیت یا نسب ذکر کرے تا کہ اسے پہچانا نہ جا سکے۔

مدلَّس الشیخ کی مثال

تدلیس شیوخ کی مثال یہ ہے کہ ابو بکر بن مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ قراءت کے ائمہ میں سے ہیں، کہتے ہیں عبداللہ بن ابی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی اس سے ان کی مراد ابو بکر بن ابو داود سجستانی ہیں۔

تدلیس شیوخ کے چار اسباب ہیں

تدلیس ان اغراضِ فاسدہ کی وجہ سے ہوتی ہے:

(۱) شیخ، راوی سے عمر میں چھوٹا ہو تو وہ شرمندگی سے بچنے کی خاطر اپنے شیخ کا نام نہیں لیتا ہے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے سے چھوٹے سے حدیث روایت کرتا ہے۔

(۲) شیخ ضعیف ہو، اس لیے غیر مشہور وصف سے اس کا ذکر کر کے یہ بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہو کہ وہ ضعیف ہے۔

(۳) شیخ کوئی نامور نہ ہو یعنی لوگوں میں مشہور و معروف نہ ہو اور راوی اس کا نام چھپا کر خود کو اس کا شاگرد ظاہر کرنا نہیں چاہتا ہو۔

(۴) راوی یہ جتانا چاہتا ہے کہ اُسے کثیر مسائخ سے سماعتِ حدیث حاصل ہے۔ مثلاً وہ ایک دفعہ یوں کہتا ہے: حَدَّثَنِیْ مُسْلِمٌ، کبھی یوں کہتا ہے: حَدَّثَنِیْ اَبُو الْحَسَنِ الْقُشَیْرِیُّ، کبھی یوں کہتا ہے: حدَّثَنِیْ ابْنُ الْحَجَّاجِ النِّیْسَابُوْرِیُّ۔ عام لوگ اس سے یہ سمجھیں گے کہ مسلم، ابوالحسن قُشیری اور ابن الحجاج نیشاپوری الگ الگ تین محدث ہیں، حالاں کہ حقیقت میں یہ ایک ہی شخص ہیں جنھیں دنیا امامِ مسلم کے نام سے جانتی ہے۔

حدیث مدلَّس کا حکم

ایسی احادیث' ضعیف کے اقسام میں سے ہیں۔ خصوصًا حدیث مدلَّس الِا سناد مذموم و مکروہ سمجھی جاتی ہے جب کہ حدیث مدلَّس الشیخ میں اگر سماعت کی تصریح ہو جائے تو معتبر و مقبول، ورنہ مردود و نامقبول ہوتی ہے۔

نوٹ: بعض اکابر محدثین مثلاً سفیان بن عیینہ، امام اعمش وغیرہ سے جو تدلیس واقع ہے وہ کسی غرضِ فاسدہ کی وجہ سے نہیں تھی۔ چوں کہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ یہ حدیث صحیح ہے اس لیے انھوں نے موجودہ شہرت کو کافی سمجھا۔ اس لیے ان محدثین کی تدلیس کی ہوئی حدیثوں پر کوئی کلام نہیں ہوگا بلکہ ان کی تدلیس مقبول ہوگی۔

مُرسَلِ خفی

کوئی راوی کسی حدیث کو کسی ایسے شیخ سے روایت کریں جن سے اُن کی ملاقات ہو یا کم از کم شیخ ان کے ہم عصر ہوں لیکن سماعتِ حدیث ثابت نہ ہو اور راوی روایت میں ایسے لفظ کا استعمال کریں جس سے سماع کا وَہم ہو، جیسے حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا کے بجائے قَالَ یا ذَکَرَ کہیں۔

مُرسَلِ خفی کی مثال

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ حَارِسَ الْحَرْسِ. (ترجمہ: اللہ تعالیٰ پہرا دینے والے پر رحم فرمائے۔)

علامہ مِزّی فرماتے ہیں: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت عُقبہ کے ہم عصر تو ہیں لیکن ان سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔

(تیسیر مصطلح الحدیث، ص: ۱۰۵)

مُرسَلِ خفی کا حکم

مُرسَلِ خفی ضعیف ہوتی ہے، اس لیے کہ اس میں انقطاع ہوتا ہے۔

راوی کی عدالت پرطعن کے اعتبار سے مردود کی قسمیں

راوی کی عدالت میں طعن کے لحاظ سے حدیث مردود کی چار قسمیں ہیں:

(۱)موضوع (۲)متروک
(۳)مُنکَر (۴)معَلَّل

نوٹ: اسباب ووجوہِ طعن حصۂ سوم میں اِسی عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

موضوع

جس حدیث میں راوی نے اپنی طرف سے کوئی بات گڑھ کریعنی بنا کراسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا ہواسے ''موضوع'' کہتے ہیں۔

موضوع کی مثال

اَلْبَاذِنْجَانُ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ.

بینگن ہر بیماری کے لیے شفا ہے۔

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبہ، حصہ اول، ص:۳۴۲)

حدیثِ موضوع کا حکم

اس کو حدیث مجازاً کہتے ہیں کیوں کہ حقیقت میں یہ حدیث ہوتی ہی نہیں ہے اور کسی موضوع حدیث کو بغیر صراحت کے بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

متروک

جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی آجائے جس پر کذب کی تہمت ہو یعنی جس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا گیا ہو اس حدیث کو متروک کہتے ہیں، تہمت کذب کے دو اسباب ہیں:

(۱) وہ حدیث صرف اسی راوی سے اس طور پر مروی ہو کہ قرآن وحدیث سے مُستَنبَط قواعدِ ضروریہ کے خلاف ہو۔

(۲) راوی اپنی عام زندگی میں جھوٹ بولنے کی عادت کے لئے مشہور ہو لیکن حدیث نبوی میں اس کا جھوٹ بولنا کبھی ثابت نہ ہو۔

متروک کی مثال

قَالَ الْبُخَارِیُّ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ دَاوٗدَ حَدَّثَنَا اُسَیْدُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شِمْرٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ اَبِیْ الطُّفَیْلِ عَنْ عَلِیٍّ وَ عَمَّارٍ قَالَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقْنُتُ فِیْ الْفَجْرِ وَ یُکَبِّرُ یَوْمَ عَرَفَۃَ مِنْ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ وَ یَقْطَعُ صَلَاۃَ الْعَصْرِ آخِرَ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ.
وَ قَالَ النَّسائِیُّ وَ الدَّارُقُطْنِیُّ وَ غَیْرُھُمَا مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ.

ترجمہ: عمرو بن شمر جعفی جابر سے وہ ابو طفیل سے اور وہ حضرت علی اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھتے اور نویں ذی الحجہ کے دن صبح کی نماز سے تکبیراتِ تشریق شروع فرماتے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز پر تکبیرات ختم کرتے تھے۔ امام نسائی اور دار قطنی نے فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں راوی عمرو بن شمر متروک الحدیث ہے۔ (یعنی اس

کی بیان کردہ احادیث متروک ہیں۔) (تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۱۱۸)

حدیثِ متروک کا حکم

یہ حدیث نا قابلِ قبول ہوتی ہے، ہاں اگر راوی توبہ کر لے اور صدق کی علامتیں اس سے ظاہر ہوجائیں تو اس کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔

مُنکَر

جس حدیث کی اسناد میں کوئی راوی فاسق یا زیادہ غلطیاں کرنے والا یا عام طور پر لاپروائی برتنے والا ہو۔

نوٹ: حدیث منکر کی ایک تعریف مع مثال وحکم حدیث معروف کے ساتھ گزر چکی ہے۔

مثال

مَا رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ مِنْ رِوَایَةِ اَبِیْ زَکِیْرٍ یَحْیَی بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ قَیْسٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیهِ عَنْ عَائِشَةَ مَرْفُوعًا كُلُوْا الْبَلَحَ بِالتَّمْرِ فَإِنَّ ابْنَ اٰدَمَ إِذَا اَكَلَهُ غَضِبَ الشَّیْطَانُ الْحَدِیْثَ. قَالَ النَّسَائِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ مُّنْكَرٌ.

تَفَرَّدَ بِهٖ اَبُوْ زَكِیْرٍ وَهُوَ شَیْخٌ صَالِحٌ اَخْرَجَ لَهُ مُسْلِمٌ فِیْ الْمُتَابَعَاتِ غَیْرَ اَنَّهٗ لَمْ یَبْلُغْ مَبْلَغَ مَنْ یُّحْتَمَلُ تَفَرُّدُهٗ بَلْ قَدْ اَطْلَقَ عَلَیْهِ الْاَئِمَّةُ الْقَوْلَ بِالتَّضْعِیْفِ فَقَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ ضَعِیْفٌ وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ لَا یُحْتَجُّ بِهٖ وَقَالَ الْعُقَیْلِیُّ لَا یُتَابَعُ عَلَی حَدِیْثِهٖ، وَاَوْرَدَ لَهُ ابْنُ عَدِیٍّ اَرْبَعَةَ اَحَادِیْثَ مَنَاكِیْرَ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبہ، حصہ اول، ص:۲۷۸-۲۷۹)

ترجمہ: ابوزکیر یحییٰ بن محمد بن قیس مذکورہ سند سے بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پکی کھجور کو چھوہاروں کے ساتھ ملا کر کھاؤ کیوں کہ (اس کی وجہ سے) شیطان غضبناک ہوتا ہے (کہ ابن آدم اتنا عرصہ زندہ رہا یہاں تک کہ پرانی کھجور کو تازہ کے ساتھ ملا کر کھانے لگا۔)

امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے کیوں کہ اسے یحییٰ بن محمد بن قیس نے تنہا روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔

حدیثِ مُنکَر کا حکم

یہ حدیث ضعیف کہلاتی ہے اور تعریف میں جن تین اوصاف یعنی فِسق، کثرتِ غلط اور فرطِ غفلت کا تذکرہ جس ترتیب سے ہوا اس کو ضعیف ٹھہرانے میں بھی اُنھیں اوصاف کا لحاظ بالترتیب ہوگا۔ لہٰذا فاسق کی روایت زیادہ ضعیف ہوگی، اس کے بعد کثیر الغلط کی اور اس کے بعد فرطِ غفلت کا مقام ہوگا۔

مُعَلّل

جو حدیث کسی پوشیدہ خامی کی وجہ سے صحیح نہ رہ جائے، اگرچہ بظاہر وہ حدیث صحیح لگ رہی ہو، اس حدیث کو "مُعَلَّل" کہتے ہیں، ایسی خامی پر کوئی بہت ہی ماہر مُحَدِّث ہی باخبر ہوسکتا ہے، جیسے حدیث متصل بیان کی گئی لیکن اصل میں وہ مرسل تھی یا حدیث مرفوع کو موقوف بیان کیا گیا یا حدیث موقوف کو مرفوع روایت کیا گیا۔

حدیثِ معلل کی مثال

كَحَدِيْثِ يَعْلَى بْنِ عُبَيْدِ نِ الطَّنَافِسِيّ اَحَدِ رِجَالِ الصَّحِيحِ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثُ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ غَلِطَ يَعْلَى عَلَى سُفْيَانَ فِيْ قَوْلِهٖ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ إِنَّمَا هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دِيْنَارٍ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبہ، حصہ اول، ص: ۲۹۷)

ترجمہ: یعلٰی بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے اور وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک خرید و فروخت کرنے والے اپنی جگہ سے الگ نہ ہوں انھیں سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔اس حدیث کی سند میں یعلی بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلطی سے عمرو بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ذکر کیا ہے حالانکہ حضرت سفیان ثوری حضرت عمرو بن دینار سے نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں کیونکہ حضرت سفیان کے تمام اصحاب (شاگرد) اس حدیث کو عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث معلَّل کا حکم

کبھی کبھار معلل کی خامی سند اور متن دونوں کو متأثر کرتی ہے مثلاً متصل بیان کردہ روایت بعد میں مُرسَل ثابت ہوتی ہے تو سند و متن دونوں نامقبول ہوتے ہیں اور کبھی معلَّل کی خامی فقط سند میں ہوتی ہے۔مثلاً ایک ثِقہ کی جگہ دوسرے ثقہ کا تذکرہ کر دیا جائے تو سند مجروح ہونے کے باوجود متن مقبول ہوتا ہے۔

راوی کے ضبط میں طعن کے لحاظ سے مردود کی قسمیں

راوی کے حفظ وضبط میں طعن کے لحاظ سے حدیث مردود کی سات قسمیں ہیں:

(۱) مُدرَجُ السَّنَد (۲) مدرج المُتَن (۳) مقلوب

(۴) مزید فی مُتّصِلِ الاِ سانید (۵) مُضطَرِب (۶) مُصَحَّف

(۷) مُحَرَّف

مُدرَج السند

وہ حدیث جس کی سند کا درمیانی حصہ یا آنے والا حصہ بدل دیا گیا ہو۔اس کی کئی صورتیں ہیں:

☆ راوی کو ایک حدیث چند شیوخ سے پہنچی، جنھوں نے اس حدیث کو چند سندوں سے بیان کیا تھا، پھر اس راوی نے اس حدیثِ مذکور کو ان سب سے ایک سند کے ساتھ روایت کر دیا اور سندوں کا اختلاف بیان نہ کیا۔

مثال:

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ وَاصِلٍ وَّ مَنْصُوْرٍ وَ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِی وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيْلَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَیُّ الذَّنْبِ اَعْظَمُ؟ قَالَ: اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّ هُوَ خَلَقَکَ، قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَکَ، قَالَ: قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: اَنْ تَزْنِیَ بِحَلِيْلَةِ جَارِکَ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا حالاں کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دینا کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائے گی۔ میں نے عرض کیا پھر کون سا؟ فرمایا: اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔ (سنن ترمذی، حصہ پنجم، ص: ۳۳۶)

اس حدیث کی روایت میں واصل، منصور اور اعمش کی سندیں مختلف تھیں، واصل کی سند میں عمرو بن شرحبیل نہ تھے بلکہ ابو وائل ہیں اور منصور اور اعمش کی سند میں تھے۔ حضرت سفیان ثوری کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی نے حدیثِ مذکور کو سب سے بیک سند روایت کر دیا۔

دوسری صورت:

قَالَ الْحَاكِمُ دَخَلَ ثَابِتٌ عَلَى شَرِيْكٍ وَّهُوَ يُمْلِىْ وَيَقُوْلُ حَدَّثَنَا الاَعْمَشُ عَنْ اَبِى سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَكَتَ لِيَكْتُبَ الْمُسْتَمْلِىْ فَلَمَّا نَظَرَ إِلَى ثَابِتٍ قَالَ مَنْ كَثُرَتْ صَلاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ. وَقَصَدَ بِذٰلِكَ ثَابِتًا لِزُهْدِهٖ وَوَرَعِهٖ فَظَنَّ ثَابِتٌ اَنَّهُ مَتْنُ ذٰلِكَ الإِسْنَادِ فَكَانَ يُحَدِّثُ بِهٖ.

رَوَى ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ الطَّلَحِىْ عَنْ ثَابِتِ بْنِ مُوْسٰى الْعَابِدِ الزَّاهِدِ عَنْ شَرِيْكٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِىْ سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوْعاً مَنْ كَثُرَتْ صَلاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص: ۳۳۹)

اصل قصہ یہ ہے کہ ثابت بن موسی، شریک بن عبداللہ القاضی کی محفل میں آئے۔ اس وقت شریک اپنے شاگردوں کو کچھ اس طرح حدیث لکھوا رہے تھے۔ اعمش نے ابو سفیان سے اورانھوں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہوئے تا کہ دور کے شاگردوں کو آواز پہنچانے والا شخص اتنا حصہ لکھوا دے، اسی دوران ان کی نظر ثابت بن موسی پر پڑی جو کہ اچانک وہاں آ گئے تھے اوران کے منہ سے نکلا ''مَنْ کَثُرَتْ صَلاتُہٗ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْھُہٗ بِالنَّھَارِ'' (ترجمہ: جو شخص رات کی نماز کثرت سے ادا کرے، دن میں اس کا چہرہ خوب صورت ہو جائے گا۔) اس بات سے ان کا مقصد ثابت کی عبادت اور پرہیز گاری کی تعریف کرنا تھا۔ ثابت غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ ان کی یہ بات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور انھوں نے اسے روایت کر دیا۔

مُدرَجُ المتن

جس حدیث کے متن میں کوئی بات اس طرح داخل کر دی گئی ہو جو حدیث کا حصہ نہ ہو اسے حدیث ''مدرج المتن'' کہتے ہیں، خواہ وہ صحابی کا قول ہو یا پھر ان کے بعد کے کسی اور راوی کا۔

اس کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) حدیث کے شروع میں کوئی بات داخل کر دی جائے۔

(۲) حدیث کے درمیان میں کوئی بات داخل کر دی جائے

(۳) حدیث کے آخر میں کوئی بات داخل کر دی جائے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

حدیثِ مدرج المتن کی مثال

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی وجہ اور مثال پیش کرتے ہوتے تحریر فرماتے ہیں:

لِاَنَّ الرَّاوِیَ یَقُولُ کَلامًا یُّرِیدُ اَنْ یَسْتَدِلَّ عَلَیْہِ بِالْحَدِیثِ فَیَاْتِی بِہٖ بِلا فَصْلٍ فَیُتَوَهَّمُ اَنَّ الْکُلَّ حَدِیثٌ.

مِثَالُہٗ مَا رَوَاہُ الْخَطِیبُ مِنْ رِوَایَۃِ اَبِی قُطْنٍ وَشَبَابَۃَ فَرَّقَهُمَا عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ وَیْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ. فَقَوْلُہٗ اَسْبِغُوْا الْوُضُوءَ مُدْرَجٌ مِنْ قَوْلِ اَبِی هُرَیْرَۃَ کَمَا بُیِّنَ فِیْ رِوَایَۃِ الْبُخَارِیِّ عَنْ اٰدَمَ عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّار قَالَ الْخَطِیبُ وَهِمَ اَبُو قُطْنٍ وَشَبَابَۃُ فِی رِوَایَتِهِمَا لَہٗ عَنْ شُعْبَۃَ عَلَی مَا سُقْنَاہُ وَقَدْ رَوَاہُ الْجَمُّ الْغَفِیرُ عَنْہُ کَرِوَایَۃِ اٰدَمَ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص: ۳۱۸-۳۱۹)

ترجمہ: حدیث کے شروع میں کوئی بات اس وجہ سے داخل کی جاسکتی ہے کہ راوی حدیث سے اخذ شدہ نتیجہ پہلے بیان کرے اور اس کے ساتھ ہی حدیث بیان کر دے، سننے والا یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ پوری بات حدیث ہی ہے، اس کی مثال خطیب بغدادی نے بیان کی ہے۔ ابی قطن اور شبابہ شعبہ سے، وہ محمد بن زیاد سے اور وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو اچھی طرح کیا کرو۔ سوکھی ہوئی

ایڑیوں کوآگ کی سزادی جائے گی۔

اس حدیث میں ''وضو اچھی طرح کیا کرو'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات ہے جسے حدیث کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے،اس کی وضاحت بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے:

آدم رضی اللہ عنہ شعبہ رضی اللہ عنہ سے، وہ محمد بن زیاد رضی اللہ عنہ سے اور وہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا وضو اچھی طرح کیا کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ سوکھی ہوئی ایڑیوں کو آگ کی سزادی جائے گی۔

خطیب یہ مثال بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ابوقطن اور شبابہ دونوں حضرات نے شعبہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اس جملے کو حدیث کا حصہ سمجھ لیا جبکہ کثیر تعداد میں راویوں نے اس حدیث کو بالکل اسی طرح سے روایت کیا جیسا کہ آدم نے شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

وضاحت

عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْبِغُوا الْوُضُوءَ، وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.

ترجمہ: شعبہ سے روایت ہے، وہ محمد بن زیاد سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وضو کامل کرو،خشک ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

اس حدیث میں ''اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ'' کے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ہیں، گویا کہ انہوں نے فرمایا کہ وضو کامل کرو اور اس پر دلیل کے طور پر سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان لائے کہ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ لیکن اس سے حدیث کے

الفاظ میں اشتباہ ہو گیا کیونکہ اَسْبِغُوْا الْوُضُوْءَ کے الفاظ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف سے ہونے پر ظاہراً کوئی قرینہ نہیں۔

حدیث کے درمیان میں اِدراج

امام سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درمیان میں ادراج کے دو سبب بیان فرمائے، پہلا استنباطِ راوی اور دوسرا غیر معروف الفاظ کی تشریح، دوسرے کی مثال دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

مِنَ الثَّانِی حَدِیْثُ عَائِشَةَ فِیْ بَدْءِ الْوَحْیِ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَحَنَّثُ فِیْ غَارِ حِرَاءٍ وَّھُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ فَقَوْلُہٗ وَھُوَ التَّعَبُّدُ مُدْرَجٌ مِنْ قَوْلِ الزُّھرِیِّ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبہ، حصہ اول، ص:۳۱۸)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ابتدائے وحی کے سلسلے میں فرماتی ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر تحنث کیا کرتے تھے، یہ عبادت کو کہتے ہیں، آپ متعدد راتیں وہیں گزارا کرتے تھے، اس حدیث میں ''وَھُوَ التَّعَبُّدُ'' ابن شہاب زہری کی بات ہے جو کہ اس حدیث میں داخل ہو گئی ہے (کیونکہ زہری حدیث بیان کرنے کے درمیان ہی میں یَتَحَنَّثُ کی وضاحت کرنے لگے تھے۔)

حدیث کے آخر میں اِدراج

وَمِنَ الْاِدْرَاجِ فِیْ اٰخِرِ الْحَدِیْثِ مَا فِی الصَّحِیْحِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا لِّلْعَبْدِ الْمَمْلُوْکِ اَجْرَانِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَا الْجِھَادُ وَالْحَجُّ وَبِرُّ اُمِّی لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوتَ وَاَنَا مَمْلُوکٌ فَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِکْتَفٰی بِقَوْلِہٖ لِلْعَبْدِ

الْـمُـلُـوْکِ اَجْـرَانِ غَیْـرَ اَنَّ اَبَـا هُـرَیْـرَۃَ تَکَفَّلَ بِاِیْضَاحِ هٰذَیْنِ الْاَجْرَیْنِ بِقَسَمِهٖ بِتَمَنِّیْ الرِّقِّ.

(علوم الحدیث ومصطلحہ، ناشر: دار العلم للملائین بیروت، حصہ اول، ص:۲۴۶)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غلام کے لیے دوہرا اجر ہے، اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، حج کرنا اور والدہ کی خدمت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں موت کو پسند کرتا۔

اس حدیث میں اس اللہ کی قسم سے آخر تک سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جو حدیث کا حصہ بن گیا ہے، اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہونا ناممکن ہے کیونکہ آپ غلامی کی خواہش نہ کر سکتے تھے اور نہ ہی آپ کی والدہ موجود تھیں جن کی آپ خدمت کر سکتے۔

حدیثِ مُدرَج کا حکم

محدثین کا اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد ادراج جائز نہیں ہے لیکن اگر کسی مشکل لفظ کے لیے ادراج کیا گیا ہو تو یہ جائز ہے۔

مقلوب

جس حدیث کے متن یا سند میں تبدیلی کر دی جائے، چاہے الفاظ کے بدلنے سے ہو یا ان کو مقدم و موخر کرنے سے ہوا سے ''حدیثِ مقلوب'' کہتے ہیں۔

مقلوب حدیث کی اقسام

مقلوب حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مقلوب السند (۲) مقلوب المتن

مقلوب السند

جس حدیث کی سند کو تبدیل کر دیا گیا ہو اسے حدیثِ مقلوب السند کہتے ہیں۔

حدیثِ مقلوب السند کی مثال

حضرت امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قَدْ مَثَّلَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ فِيْ شَرْحِ النُّخْبَةِ الْقَلْبَ فِي الْإِسْنَادِ بِنَحْوِ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ وَمُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص:۳۴۴)

ترجمہ: شیخ الاسلام علامہ ابن حجر عسقلانی نے نخبہ کی شرح میں قلب فی الاسناد کی مثال یہ دی ہے کہ کسی راوی اور ان کے والد کے نام کو الٹ دیا جائے جیسے کہ ''کعب بن مُرّۃ'' سے مروی کسی حدیث کو بیان کرتے ہوئے ان کے نام کو ''مرۃ بن کعب'' کر دیا جائے۔

مقلوب المتن

جس حدیث کے متن میں کسی قسم کی تبدیلی کر دی جائے اس حدیث کو ''مقلوب المتن'' کہتے ہیں۔

حدیثِ مقلوب المتن کی مثال

حدیث مقلوب المتن کی مثال بیان کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ

اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَفِیْ الْمَتَنِ بِحَدِیثِ مُسْلِمٍ فِی السَّبْعَةِ الَّذِینَ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ یَمِینُهٗ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهٗ قَالَ فَهٰذَا مِمَّا انْقَلَبَ عَلَی اَحَدِ الرُّوَاةِ وَاِنَّمَا هُوَ حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِینُهٗ کَمَا فِی الصَّحِیْحَیْنِ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص:۳۴۴)

ترجمہ: متن میں تبدیلی کے حوالے سے شیخ الاسلام ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات آدمی والی حدیث سے مثال بیان کی ہے، روایت یوں ہے کہ سات آدمی جنہیں اللہ تعالی اپنے سایۂ رحمت میں اس دن جگہ دے گا (کہ جس دن اللہ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا) ان میں سے ایک وہ شخص ہے کہ جس نے صدقہ کیا پھر اسے چھپایا یہاں تک کہ اس کے سیدھے ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ الٹے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

اس حدیث کے الفاظ میں تبدیلی ہے کیونکہ اصل الفاظ یہ تھے حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِینُهٗ یہاں تک کہ اس کے الٹے ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ سیدھے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے، اس لیے کہ عموماً داہنے ہاتھ سے دیا جاتا ہے۔

مقلوب کا حکم

اگر حدیث میں قلب و تبدیلی اپنی علمی برتری ظاہر کرنے کے لیے ہو تو یہ قلب ناجائز ہے۔ اگر بھول سے قلب واقع ہوا اور ایسا زیادہ نہ ہوتا ہو تو معذور سمجھا جائے گا اور اگر اس طرح راوی سے بکثرت ہوتا ہو تو ضبط پر جرح ہوگی اور روایت کی تضعیف کی جائے گی۔ اگر قوی راوی کسی دوسرے کا امتحان لینے کی غرض سے کچھ تبدیلی کریں اور اسی مجلس کے اندر اس کا اظہار کر دیں تو جائز، ورنہ ناجائز ہے۔

المزید فی متّصل الاسانید

مزید فی متصل الاسانید اس حدیث کو کہتے ہیں جس حدیث کی متصل سند (ملی ہوئی سند) میں کسی راوی کا اضافہ کردیا جائے، اس حدیث کو ''اَلْمَزِیْدُ فِیْ مُتَّصِلِ الْاَسَانِیْدِ'' کہا جاتا ہے۔

مثال

مِثَالُہٗ مَا رَوَی ابْنُ الْمُبَارَکِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدَ حَدَّثَنِی بُسْرُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا إِدْرِیْسَ قَالَ سَمِعْتُ وَاثِلَۃَ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَرْثَدٍ یَّقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُورِ فَذِکْرُ سُفْیَانَ وَاَبِیْ إِدْرِیْس زِیَادَۃُ وَھْمٍ فَالْوَھْمُ فِیْ سُفْیَانَ مِمَّنْ دُونَ ابْنِ الْمُبَارَکِ لِاَنَّ ثِقَاتٍ رَوَوْہُ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَکِ عَنِ ابْنِ یَزِیدَ وَمِنْھُمْ مَنْ صَرَّحَ فِیْہِ بِالْإِخْبَارِ وَفِی اَبِیْ إِدْرِیْسَ مِنِ ابْنِ الْمُبَارَکِ لِاَنَّ ثِقَاتٍ رَوَوْہُ عَنِ ابْنِ یَزِیدَ فَلَمْ یَذْکُرُوا اَبَا إِدْرِیسَ وَمِنْھُمْ مَنْ صَرَّحَ بِسَمَاعِ بُسْرٍ مِنْ وَاثِلَۃَ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ دوم، ص:۶۶۱)

ترجمہ: عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبد الرحمٰن بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی اور انہیں بسر بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ابوادریس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے ابومرثد رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تم قبروں پر نہ بیٹھو۔

اس حدیث میں دو ناموں کا اضافہ کیا گیا ہے:

ایک سفیان اور دوسرے ابوادریس کا، ان کے ناموں کے اضافے کی وجہ راوی کی غلط فہمی ہے، جہاں تک سفیان کے نام میں اضافے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ ابن مبارک کے بعد کے کسی راوی کی غلط فہمی ہے کیونکہ متعدد ثقہ راویوں نے ایسی روایات بیان کی ہیں جن میں ابن مبارک نے عبدالرحمٰن بن یزید سے براہ راست احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے بہت سے لوگوں نے لفظِ اِخبار کے ذریعے اس کی تصریح کی۔

ابوادریس کے نام کے اضافے کا تعلق ابن مبارک کو لاحق ہونے والی غلط فہمی سے ہے کیوں کہ بہت سے ثقہ راویوں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن میں ابوادریس کا کوئی ذکر نہیں ہے، بہت سے ثقہ ماہرین نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ بسر بن عبداللہ نے براہ راست اس حدیث کو واثلہ سے روایت کیا ہے۔

المزید فی متصلِ الاسانید کا حکم

یہ حدیث وہم کی وجہ سے مردود شمار ہوتی ہے۔ البتہ اگر زیادتی کرنے والا اپنے مقابل سے برتر ہے تو پھر یہ حدیث مقبول وراجح قرار پائے گی۔

مُضطَرِب

ایسی حدیث جو متعدد اسانید سے مروی ہو اور تمام اسانید قوت میں برابر ہوں لیکن اس کی سند میں راویوں کے درمیان ایسا اختلاف واقع ہو جس کا دور کرنا ممکن نہ ہو، چاہے یہ اختلاف تقدیم وتاخیر میں ہو یا متن کی کمی وزیادتی میں ہو یا اس کے علاوہ کسی اور معاملے

میں ہو۔ مضطرب حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مضطرب السند (۲) مضطرب المتن

مُضْطَرِبُ السَّنَد

مضطرب السند کی مثال یہ حدیث ہے:

وَالْمِثَالُ الصَّحِيْحُ حَدِيْثُ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاکَ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا.

قَالَ الدَّارَقُطْنِیُّ هٰذَا مُضْطَرِبٌ فَإِنَّهٗ لَمْ يُرْوَ إِلَّا مِنْ طَرِيْقِ اَبِیْ إِسْحَاقَ وَقَدِ اخْتُلِفَ عَلَيْهِ فِيْهِ عَلٰى نَحْوِ عَشَرَةِ اَوْجُهٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ رَوَاهُ مُرْسَلًا وَّمِنْهُمْ مَّنْ رَوَاهُ مَوْصُوْلًا وَّمِنْهُمْ مَّنْ جَعَلَهٗ مِنْ مُسْنَدِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّمِنْهُمْ مَّنْ جَعَلَهٗ مِنْ مُّسْنَدِ سَعْدٍ وَّمِنْهُمْ مَّنْ جَعَلَهٗ مِنْ مُّسْنَدِ عَائِشَةَ وَغَيْرِ ذٰلِکَ وَرُوَاتُهٗ ثِقَاتٌ لَا يُمْکِنُ تَرْجِيْحُ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّالْجَمْعُ مُتَعَذِّرٌ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص:۳۱۲)

ترجمہ: اس کی صحیح مثال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم سے عرض کیا، یارسول اللہ! میں آپ کے بال سفید ہوتے دیکھ رہا ہوں، آپ نے فرمایا: ہود اور ان کے بھائیوں (یعنی دیگر انبیا کی قوموں پر عذاب) کے واقعات نے میرے بال سفید کر دیے ہیں۔

امام دار قطنی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے، اس حدیث کو صرف ابو اسحاق کی سند سے روایت کیا گیا ہے، ان کی بیان کردہ اسناد میں اضطراب پایا جاتا ہے، کہیں

تو کسی راوی نے اسے مرسل (صحابی کا نام بتائے بغیر) روایت کیا ہے اور کہیں موصول (ملی ہوئی سند کے ساتھ)۔ کسی نے اس کا سلسلۂ سند سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے، کسی نے سعد رضی اللہ عنہ تک اور کسی نے سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا تک۔ ان تمام روایتوں کے راوی ثقہ ہیں جس کی وجہ سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ممکن نہیں ہے اور ان میں مطابقت پیدا کرنا بھی ممکن نہیں۔

مضطرب المتن حدیث کی مثال

مِثَالُ الْاِضْطِرَابِ فِیْ الْمَتْنِ فِیْمَا اَوْرَدَهُ الْعِرَاقِیُّ حَدِیْثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الزَّکَاةِ فَقَالَ إِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکَاةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ هٰکَذَا مِنْ رِوَایَةِ شَرِیْکٍ عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ فَاطِمَةَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ بِلَفْظِ لَیْسَ فِی الْمَالِ حَقٌّ سِوَی الزَّکَاةِ .قَالَ فَهٰذَا اضْطِرَابٌ لَا یَحْتَمِلُ التَّاْوِیْلَ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ اول، ص:۳۱۳)

ترجمہ: ترمذی شریک سے، وہ ابوحمزہ سے، وہ شعبی سے اور وہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوۃ سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا، زکوۃ کے علاوہ بھی مال سے متعلق ذمہ داری ہے۔

ابن ماجہ نے یہی حدیث ان الفاظ میں روایت کی ہے ''زکوۃ کے علاوہ مال سے متعلق کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔'' عراقی کہتے ہیں کہ یہ ایسا اضطراب ہے جس کی کوئی توجیہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

مضطَرِب کا حکم

حدیثِ مضطرب بھی حدیثِ ضعیف ہی ہے۔

مُصَحَّف

مصحف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے ثقہ راویوں سے منقول الفاظ یا معانی میں غلطی سے تبدیلی کردی گئی ہو۔

محدثین نے مصحف حدیث کی کئی طریقوں سے تقسیم کی ہے

سند میں تصحیف

مَعْرِفَةُ الْمُصَحَّفِ فَمِنَ الْإِسْنَادِ الْعَوَّامُ بْنُ مُرَاجِمٍ "بِالرَّاءِ وَالْجِيمِ" صَحَّفَهُ ابْنُ مَعِينٍ؛ فَقَالَهُ بِالزَّايِ وَالْحَاءِ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ دوم، ص:۶۴۸)

ترجمہ: اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں شعبہ نے العوام بن مراجم سے روایت کی ہے۔ اس حدیث کو لکھتے ہوئے غلطی سے ابن معین نے "العوام بن مزاحم" لکھ دیا ہے۔

متن میں تصحیف

وَمِنَ الثَّانِي حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَرَ فِي الْمَسْجِدِ اَيِ اتَّخَذَ حُجْرَةً مِنْ حَصِيرٍ اَوْ نَحْوِهِ يُصَلِّي فِيهَا، صَحَّفَهُ ابْنُ لَهِيعَةَ؛ فَقَالَ: احْتَجَمَ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ دوم، ص:۶۴۹)

ترجمہ: دوسرے کی مثال (متن میں تصحیف کی مثال) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث، جس میں ''احتجر فی المسجد'' کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ

''مسجد میں چٹائی یا اس جیسی کسی چیز سے نماز پڑھنے کے لیے حجرہ نما بنالیا۔'' حضرت ابن لہیعہ سے اس میں تصحیف ہوئی اور انھوں نے احتجر کی جگہ ''اِحتَجَمَ''کر دیا۔(جس کا معنٰی ہے پچھنا لگوانا)

سننے میں تصحیف

بعض اوقات حدیث کو صحیح طور پر نہ سننے یا سننے والے کے دور بیٹھنے کے باعث غلطی لاحق ہو جاتی ہے۔ بولنے والا کچھ بولتا ہے اور سننے والا اس سے ملتا جلتا کوئی اور لفظ سمجھ بیٹھتا ہے۔

وَيَكُونُ تَصْحِيفَ سَمْعٍ كَحَدِيثٍ عَنْ عَاصِمٍ الْاَحْوَلِ، رَوَاهُ بَعْضُهُمْ؛ فَقَالَ :وَاصِلٌ الْاَحْدَبُ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبہ، حصہ دوم، ص:۲۴۸)

ترجمہ:اس کی مثال وہ حدیث ہے جو"عاصم الاحول "سے روایت کی گئی ہے لیکن بعض لوگوں نے اس نام کو"واصل الاحدب " لکھ دیا ہے۔

معنی میں تصحیف

اس میں حدیث کا لفظ تو اپنی اصل حالت میں برقرار رہتا ہے لیکن اس سے کوئی ایسا معنی مراد لے لیا جاتا ہے جو درحقیقت مراد نہیں ہوتا۔

وَيَكُونُ فِي الْمَعْنَى كَقَوْلِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُثَنَّى :نَحْنُ قَوْمٌ لَّنَا شَرَفٌ، نَحْنُ مِنْ عَنَزَةَ صَلَّى إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبہ، حصہ دوم، ص:۲۴۸)

اس کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "عنزۃ "کے لئے دعا فرمائی۔ ابوموسیٰ عَنَزی یہ حدیث سن کر کہنے لگے،"ہماری قوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے دعا فرمائی۔ "وہ یہ سمجھے کہ اس حدیث میں"عنزۃ "سے مراد ان کا

قبیلہ بنو عنزۃ ہے حالانکہ عنزۃ اس نیزے کو کہتے ہیں جو کہ نماز پڑھنے والا اپنے سامنے گاڑتا ہے (تا کہ نمازی اس کے آگے سے گزر سکیں۔ ایسا کرنے والے کے لیے آپ نے دعا فرمائی۔)

پڑھنے میں تصحیف

یہ اکثر اوقات ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پڑھنے والا تحریر کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پاتا جس کی وجہ خراب رائٹنگ یا نقطوں کا موجود نہ ہونا ہوتی ہے۔

(مِثَالُهُ) حَدِيثُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ) بِالسِّينِ الْمُهْمَلَةِ وَالتَّاءِ الْفَوْقِيَّةِ لَفْظُ الْعَدَدِ، (صَحَّفَهُ الصُّولِيُّ فَقَالَ: شَيْئًا بِالْمُعْجَمَةِ وَالتَّحْتِيَّةِ)

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دار طیبہ، حصہ دوم، ص:۲۴۹)

ترجمہ: اس کی مثال یہ حدیث ہے "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ" (یعنی جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے۔) اس حدیث کو ابوبکر الصولی نے غلطی سے اس طرح لکھ دیا ہے: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَ اَتْبَعَهُ شَيْئًا مِنْ شَوَّالٍ..." (یعنی جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال میں کچھ کر کے اس کی پیروی کی۔)

مصَحَّف کا حکم

مذکورہ بالا نوعیّتوں کی تبدیلیاں اگر سہوًا ہوں اور زیادہ نہ ہوں تو اس سے ضبطِ راوی پر جرح نہیں کی جاتی لیکن اگر اس طرح کی غلطیاں کسی راوی سے کثرت کے ساتھ ہونے لگیں تو بلا شبہ ضبطِ راوی متأثر ہو گا۔

مُحَرَّف

وہ حدیث جس کے اندر شکلاً تغیر ہوا سے مُحَرَّف کہا جاتا ہے۔

مُحَرَّف کی مثال

قَالَ جَابِرٌ: رُمِیَ اُبَیٌّ یَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلٰی اَکْحَلِهٖ فَکَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ. (صحیح مسلم، حصہ چہارم، ص:۱۷۳۰)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ غزوۂ احزاب میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو کی رگ میں تیر لگ گیا تھا پھر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے داغ لگایا۔

اسی روایت کو بیان کرتے وقت حضرت غُندر نے لفظ "اُبَیٌّ" کو "اَبِیْ" (اضافت کے ساتھ) پڑھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بیان کیا کہ ان کے والدِ گرامی کو تیر لگا تھا، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اُن کے والدِ گرامی غزوۂ اُحد ہی میں شہید ہو چکے تھے۔ (ملخصًا از حاشیۂ نزہۃ النظر، ص:٦٦)

مُحَرَّف کا حکم

اگر کسی راوی سے اتفاقاً یہ عمل ہو جائے تو اُس کے ضبط پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیوں کہ شاذ و نادر غلطی سے شاید ہی کوئی محفوظ رہتا ہو۔ البتہ اگر اس طرح کی غلطیاں کثرت سے واقع ہوں تو یہ راوی میں عیب شمار کیا جائے گا۔

حصۂ سوم

(اصولِ حدیث، اربابِ حدیث اور کتبِ حدیث سے متعلق مفید اور ضروری معلومات)

راویوں کی قبولیت کے شرائط

کسی بھی روایت کی بنیاد راویوں پر ہوتی ہے، رُواۃ جس قدر قوی ہوں وہ روایت اسی قدر قوی مانی جاتی ہے، اس لیے محدثین نے راویوں کی قبولیت کے چند اصول وضوابط بنائے ہیں، جن میں سے کچھ کا تعلق راوی سے ہے اور کچھ کا تعلق مروی حدیثوں سے ہے، ان شرائط کا جاننا ضروری ہے تاکہ روایت کی قوت اور اس کا ضُعف آسانی کے ساتھ پہچانا جا سکے۔

ذیل میں راویوں کے مقبول ہونے کی شرطیں بیان کی جارہی ہیں:

(۱) <u>عادل ہونا</u>

عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ **تقویٰ** اختیار کرے اور **خلاف مُروّت** حرکتوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہو۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک، کفر، فسق، بدعت وغیرہ سے بچتا رہے۔ گناہ صغیرہ سے بچنا عدالت کی شرط نہیں، البتہ صغیرہ پر اصرار سے بچنا ضروری ہے، اس لیے کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار گناہِ کبیرہ ہے۔ عدمِ اصرار سے مراد یہ ہے کہ کبھی اتفاق سے اگر گناہ ہو جائے تو اس پر نادم ہو اور دوبارہ نہ کرے۔

مروّت سے مراد یہ ہے کہ ایسے خسیس ورذیل کاموں سے بچے جو اگرچہ مباح ہوں مگر وقار کے خلاف سمجھے جاتے ہیں جیسے بازاروں میں کھانا، صرف تہبند باندھ کر گھومنا وغیرہ۔

(۲) <u>ضبطِ حدیث</u>

یعنی حدیث کو محفوظ رکھنا، اس میں کسی قسم کی کمی اور کوئی خلل پیدا نہ ہونے دینا، اس طرح کہ ضرورت کے وقت بلا تردد بیان کر سکے۔

اس کی دو قسمیں ہیں۔ضبطِ صدر،ضبطِ کتاب۔

☆ **ضبطِ صدر**

ضبطِ صدر یہ ہے کہ حدیث اس طرح زبانی یاد رکھے کہ جب چاہے اس کو بعینہٖ بیان کر سکے۔

☆ **ضبطِ کتاب**

ضبطِ کتاب یہ ہے کہ جس کتاب میں حدیث لکھی ہے اسے پورے طور سے محفوظ رکھے کہ اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہونے پائے۔

نوٹ: ان دونوں شرطوں کا تعلق راوی کی ذات سے ہے۔

(۳) **اتصالِ سند**

اتصالِ سند کا مطلب یہ ہے کہ ابتداے سند سے لے کر انتہاے سند تک کوئی راوی نہ چھوٹا ہو۔

(۴) **حدیث شاذ نہ ہو**

اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ثِقہ راوی اپنے سے اوثق راوی کی مخالفت نہ کرے۔

(۵) **حدیث مُعَلَّل نہ ہو**

یعنی حدیث میں کوئی ایسی خرابی نہ پائی جائے جو حدیث کی صحت کے منافی ہو۔

ان پانچوں میں سے اگر ابتدا کی دو شرطوں میں کمی ہوئی تو راوی کی ذات مجروح ہوگی اور یہ طعن اخیر کے طعن سے بڑھ کر ہیں۔اگر کوئی بھی شرط مفقود ہوئی تو حدیث مقبول نہیں رہ جائے گی بلکہ مردود ہو جائے گی۔

نوٹ: مقبول ومردود کا معنٰی پوری تفصیل کے ساتھ حصۂ دوم میں صفحہ نمبر: ۱۱۹ پر بیان ہو چکا ہے۔

طعن کے اسباب

یہ ان اسباب کا بیان ہے جن سے راوی کی عدالت یا ضبط مجروح ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں راوی کی روایتیں غیر مقبول ہو جاتی ہیں۔ ایسے اسباب دس ہیں، پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ ضبط سے۔

عدالت سے متعلق پانچ اسبابِ طعن یہ ہیں: کذب، اتہام بالکذب، فسق، جہالت اور بدعت۔ ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کِذب

کذب کا مطلب یہ ہے کہ اس راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے جان بوجھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی ہے۔

حکم: اگر کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ایک بار بھی جان بوجھ کر حدیث گڑھی ہے تو ساری عمر اس کی حدیث مقبول نہ ہوگی، اگر چہ توبہ کر لے۔ ایسے راوی کی بیان کردہ روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

(۲) اِتّہام بالکذب

اتہام بالکذب کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہیں مگر اس کا اور باتوں میں جھوٹا ہونا مشہور ہو اسی طرح وہ حدیث جو صرف اسی راوی سے اس طور پر مروی ہو کہ قرآن و حدیث سے مُستَنبَط قواعدِ ضروریہ کے خلاف ہو تو یہ بھی اتّہام بالکِذب کے معنٰی میں داخل ہے۔ ایسے راوی کی حدیث کو متروک کہتے ہیں۔

حکم: ایسا شخص اگر جھوٹ بولنے سے توبہ کر لے اور سچ بولنے کی عادت ڈال لے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اب وہ جھوٹ نہیں بولتا ہے تو اس وقت اس کی روایت مقبول ہے۔

(۳) فسق

فسق سے فسقِ عملی یعنی گناہ مراد ہے ورنہ جس کا فسق اعتقادی ہو تو وہ بدعت میں داخل ہے، جو ایک مستقل سببِ طعن ہے (جسے آگے ۵؍نمبر کے تحت بیان کیا گیا ہے۔) جھوٹ بھی گناہ اور فسق ہی ہے مگر حدیث کے معاملے میں یہ دوسرے اسباب سے زیادہ سخت ہے، اس لیے اسے عام گناہوں سے علاحدہ مستقل طعن کی قسم شمار کیا گیا۔ (جیسا کہ نمبر (۱) میں بیان ہوا۔)

(۴) جہالت

جہالت سے مراد کسی راوی کا غیر معلوم ہونا ہے۔ جیسے کوئی یوں کہے: حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی۔) اس بنیاد پر طعن کی وجہ یہ ہے کہ جب راوی معلوم نہیں تو یہ پتہ نہ چل سکے گا کہ یہ عادل ہے یا غیر عادل اور اس کی روایت قابلِ قبول ہے یا نہیں۔ ایسی حدیث کو مُبْہَم کہتے ہیں۔

حکم: حدیث مبہم کے مقبول وغیر مقبول ہونے میں تفصیل ہے۔ اگر یہ ابہام صحابی میں ہے مثلاً تابعی نے کہا: مجھ سے ایک صحابی نے حدیث بیان کی تو یہ بالاتفاق مقبول ہے اس لیے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ البتہ ابہام اگر غیر صحابی میں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

اول: راوی کی عدالت اور ثقہ ہونے کی صراحت نہ ہو۔ جیسے حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ۔ (یعنی ایک شخص نے مجھ سے حدیث بیان کی۔)

دوم: یہ کہ راوی کے عادل اور ثِقہ ہونے کی صراحت ہو۔ جیسے حَدَّثَنِیْ ثِقَةٌ۔ (یعنی ایک صاحبِ ثقاہت (معتمَد) نے مجھ سے حدیث بیان کی۔)

پہلی صورت میں تحقیق یہ ہے کہ وہ مقبول نہیں، دوسری صورت میں اگر حَدَّثَنِیْ

ثِقَۃٌ کہنے والا امامِ ماہر ہے جیسے امام مالک، تو مقبول ہے ورنہ مردود۔

مجہول کے اقسام واحکام

مجہول کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **مَستور**: وہ مجہول راوی جس کی ظاہری عدالت تو معلوم ہو لیکن باطن کے بارے میں کوئی تحقیق نہ ہو۔ اس قسم کے راوی ''صحیح مسلم'' میں بکثرت ہیں۔

(۲) **مَجھولُ العَین**: وہ مجہول راوی جس سے صرف ایک ہی ثِقہ راوی نے روایت کی ہو۔ اس قسم کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے، بعض محدثین نے مطلقاً ایک ثقہ راوی کے روایت کرنے کی وجہ سے مجہول راوی کی جانب جہالت کی نسبت کرنے سے منع کیا ہے اور بعض دیگر محدثین نے مطلقاً ثِقہ راوی کے روایت کردینے سے جہالت کی نسبت ممنوع نہیں قرار دی ہے بلکہ یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس ثقہ کی عادت یہ ہو کہ وہ عادل راویوں سے روایت کرتا ہو۔ مثلاً یحیٰی بن سعید بن قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد رضی اللہ عنہم اپنی مسند میں۔ اس سلسلے میں دیگر اقوال بھی ملتے ہیں۔

(۳) **مجھول الحال**: جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں لیکن کبھی اس کا استعمال مستور کے لیے بھی ہوتا ہے۔

حکم: قسم اول یعنی مستور کو جمہور محققین نے مقبول کہا ہے۔ **یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے اور باقی دو** کو بعض اکابر حجت مانتے ہیں لیکن جمہور محدثین ضعف کا باعث بتاتے ہیں۔ (ملخصًا از فتاویٰ رضویہ، ناشر: برکات رضا، جلد پنجم، ص: ۴۴۳)

امام نووی نے مجہول العین کو قبول کرنے کی نسبت بہت سے محققین کی طرف فرمائی ہے۔ مقدمۂ منہاج میں فرماتے ہیں:

''مجہول کے کئی اقسام ہیں، ایک یہ کہ راوی کی عدالت ظاہر و باطن میں غیر ثابت ہو، دوسری قسم عدالت باطنًا مجہول ہو مگر ظاہرًا معلوم ہو اور یہ مستور ہے اور تیسری قسم مجہول العین ہے۔ پہلی قسم کے بارے میں جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ قابل قبول نہیں اور دوسری دونوں اقسام سے اکثر محدثین استدلال کرتے ہیں۔'' (ایضًا)

(۵) بدعت

بدعت سے مراد یہ ہے کہ جو بات دین میں مشہور و معروف ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے، اس کے خلاف اعتقاد رکھے جب کہ کسی شبہ اور تاویل کی بنیاد پر ہو۔ اگر یہ اعتقاد ضروریات دین کے خلاف عناد کی بنیاد پر ہو تو کفر ہے۔

حکم: مُبتَدِع (بدعتی) کی روایت کے مقبول و مردود ہونے میں تفصیل ہے۔ اگر اس کی بد مذہبی حدِّ کفر تک پہنچی ہو تو بالاتفاق اس کی روایت مردود ہوگی اور اگر کفر کی حد تک نہیں پہنچی ہے تو اگر اس کی یہ روایت بدعت کی طرف داعی یا بدعت کو رواج دینے والی ہو تو قطعاً مردود ہوگی اور اگر ایسی نہیں تب بھی احتیاطًا ائمہ کا یہی طریقہ ہے کہ مبتدعین کی حدیث قبول نہیں کرتے ہیں، اس لیے کہ کبھی کبھی مبتدعین اس باریکی کے ساتھ حدیث میں بد مذہبی داخل کر دیتے ہیں کہ اس کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

ضبط سے متعلق پانچ اسبابِ طعن یہ ہیں: کثرتِ غلط، فرطِ غفلت، مخالفتِ ثقات، وہم، سُوءِ حفظ۔

کثرتِ غلط: کثرت غلط کا مطلب یہ ہے کہ راوی اپنی بیان کردہ روایتوں میں غلطی سے ردوبدل یا الفاظ کا ہیر پھیر کر دیتا ہو۔

فرطِ غفلت: فرطِ غفلت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی تلقین قبول کرے یعنی دوسرا اگر کہے کہ تم نے یہ سنا ہوگا وہی مان لے۔

مخالفتِ ثقات: حدیث کی سند یا متن ثقہ راویوں کے خلاف ہو۔ اس طرح کا معاملہ جس حدیث میں ہوگا اسے ''شاذّ'' کہتے ہیں۔

وَہم: حدیث کے یاد ہونے کا غالب گمان نہیں پھر بھی بیان کر دیا۔ اگر راوی کی اس حرکت پر قرائن سے اطلاع ہوجائے تو وہ حدیث مُعَلَّل ہے۔ یہ ضعف بہت باریک اور مشکل ہے، یہاں تک کہ علما نے فرمایا: دارقطنی کے بعد کوئی ان جیسا نہیں پیدا ہوا جو ان کی طرح حدیث کے مُعَلَّل ہونے کی پہچان رکھتا ہو۔

سُوءِ حفظ: سُوءِ حفظ سے مراد یہ ہے کہ راوی کو بھولنے کی بیماری ہو اور اس حد تک کہ اس کی غلطی اس کی درستگی سے زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں۔

اگر اس کی درستگی اس کی غلطی سے زائد ہے تو اس کی روایت مقبول ہے اس لیے کہ خطا اور بھولنے سے کوئی بھی مکمل منزہ اور پاک نہیں ہے، یہاں تک کہ امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ بھی۔ سُوءِ حفظ کی بیماری اگر عمر بھر رہی تو اس کی روایت معتبر نہیں، البتہ بعض محدثین نے اسے بھی **شاذ** مانا ہے۔ اگر اس کی یہ بیماری اخیر عمر میں کسی وجہ سے لاحق ہوگئی مثلاً بڑھاپے کی وجہ سے یا نگاہوں کے کمزور ہونے کی وجہ سے یا آنکھوں کی روشنی زائل ہو جانے کی وجہ سے تو ایسی حدیث کو مُخَلَّط کہتے ہیں۔

ایسے راوی کے سُوءِ حفظ لاحق ہونے کا وقت معلوم ہوتو اس سے پہلے کی اس کی روایتیں مقبول ہوں گی مگر جس دور میں اسے یہ بیماری لاحق ہوئی ہو، اس وقت کی حدیثیں مقبول نہیں ہوں گی لیکن اگراس کی بیان کردہ روایت دوسرے طریق، یا متابعت یا شواہد کی بنیاد پر قوی ہو جائے تو مقبول ہوگی۔

متابعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے راوی سے اسی کے موافق کوئی حدیث مروی ہواور شاہد کا مطلب یہ ہے کہ یہی حدیث دوصحابیوں سے مروی ہو۔متابعت اور شاہد سے بھی حدیث کوتقویت ملتی ہے۔

طعن کے یہ کل دس اسباب ہیں، ان کی قوت اور شدت کے اعتبار سے ان کی یہ ترتیب ہوگی۔کذب، تہمتِ کذب، کثرتِ غلط، فرطِ غفلت، فسق، وہم، مخالفتِ ثقات، جہالت، بدعت، سُوءِ حفظ۔ (نزہۃ النظر، ناشر: مطبع سفیر ریاض، حصہ اول، ص:۱۰۶-۱۰۷)

واضح رہے کہ شاذ، مُعَلّل، مقبول، مردود، متابِع اور شاہد کی تفصیلی معلومات دوسرے حصے میں موجود ہیں۔

وجوہِ نسخ،ترجیح وجمع

جب دو احادیث میں تعارض نظر آتا ہے تو ان میں اولاً نسخ کا پتہ لگایا جاتا ہے،اگر وجوہِ نسخ میں سے کسی وجہ سے پتہ چل جائے کہ ایک حدیث ناسخ ہے تو دوسری کو منسوخ مان کر ظاہری تعارض ختم کر دیا جاتا ہے اور اگر نسخ کا علم نہ ہو سکے تو وجوہِ ترجیح کے ذریعے ایک حدیث کو دوسری پر فوقیت دے دی جاتی ہے۔پھر اگر وجوہِ ترجیح سے بھی تعارض دور نہ ہو تو وجوہِ جمع کو اپنا کر دو متعارض حدیثوں کو جمع کر لیا جاتا ہے۔وجوہِ نسخ،وجوہِ ترجیح اور وجوہِ جمع اب ترتیب وار ذکر کیے جا رہے ہیں۔

وجوہِ نسخ

حدیث کے ناسخ و منسوخ کا علم مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک سے ہوتا ہے،انھیں کو وجوہِ نسخ کہتے ہیں:

(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود وضاحت فرمائیں۔

(۲) صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضاحت فرمائیں۔

(۳) تاریخ کے علم سے اس کا پتہ چل جائے۔

(۴) اجماع کے ذریعے اس کے نسخ کا علم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسخ کی تصریح فرمانے کی مثال

حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نزھۃ النظر میں اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَصْرَحُھَا مَا وَرَدَ فِیْ النَّصِّ کَحَدِیْثِ بُرَیْدَۃَ فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ.

ترجمہ: اس کی سب سے واضح مثال صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، لیکن اب تم زیارت کرو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ سفیر بالریاض، دمشق ج:۱ص:۹۶)

صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وضاحت کی مثال

حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَمِنْهَا مَا يَجْزِمُ الصَّحَابِيُّ بِأَنَّهُ متَأَخِّرٌ كَقَوْلِ جَابِرٍ كَانَ اٰخِرُ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكَ الْوُضُوْءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ.

ترجمہ: نسخ کے جاننے کے انھیں طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ صحابیِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کا یقین ہو کہ یہ حکم بَعد کا ہے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ ہے کہ جس نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی ہو، اسے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر، ناشر: مطبعۃ سفیر بالریاض، دمشق ج:۱ص:۹۶)

تاریخ کے ذریعے ناسخ ومنسوخ کے معلوم ہونے کی مثال

تاریخ کے ذریعے ناسخ ومنسوخ کے علم کی مثال دیتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمِنْهُ مَا عُرِفَ بِالتَّارِيْخِ كَحَدِيْثِ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ مَرْفُوْعًا اَفْطَرَ

الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ذَكَرَ الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ مَنْسُوْخٌ بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ فَإِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ إِنَّمَا صَحِبَهُ مُحْرِمًا فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ سَنَةَ عَشْرٍ وَّفِي بَعْضِ طُرُقِ حَدِيثِ شَدَّادٍ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ زَمَنَ الْفَتْحِ سَنَةَ ثَمَانٍ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبۃ، ج:۲ص:٦۴٦)

ترجمہ: ناسخ ومنسوخ کوتاریخ کے ذریعے بھی جانا جاتا ہے، جیسے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی مرفوع حدیث: اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ یعنی پچھنا لگانے اورلگوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اسے امام ابوداؤدوترمذی نے روایت کیا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ''أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ'' یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احرام اورروزے کی حالت میں پچھنا لگوایا۔ اس حدیث کوامام مسلم نے روایت کیا ہے۔ شداد کی حدیث کے بعض طرق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث فتح مکہ کے سال، آٹھویں ہجری کی ہے جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دسویں ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر شریک تھے۔

لفظِ مُحرم سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پچھنا ایامِ حج میں لگوایا اورابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جس حج میں تھے وہ حجۃ الوداع ہے جوکہ سن ۱۰ رہجری میں ہوا ہے اورابنِ اوس کی روایت فتحِ مکہ کے سال کی ہے جو کہ سن ۸ رہجری میں ہوئی ہے۔ لہٰذا سن ۱۰ رہجری والا عمل بعد کا ہے، اس لیے حضرتِ ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت حضرتِ ابن اوس کی روایت کے لیے ناسخ ہوگی۔

اجماع کے ذریعے ناسخ ومنسوخ کے معلوم ہونے کی مثال

امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجماع کے ذریعے ناسخ ومنسوخ کے معلوم ہونے کی مثال دیتے ہوئے یوں ارشادفرماتے ہیں:

وَمِنْهُ مَا عُرِفَ بِدَلَالَةِ الْاِجْمَاعِ كَحَدِيْثِ قَتْلِ شَارِبِ الْخَمْرِ فِي الرَّابِعَةِ وَهُوَ مَا رَوَاهُ أَبُو دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوهُ قَالَ الْمُصَنِّفُ فِيْ شَرْحِ مُسْلِمٍ دَلَّ الْاِجْمَاعُ عَلَى نَسْخِهٖ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبۃ، ج:۲ص:۶۴۶)

ترجمہ: اجماع کے ذریعے بھی ناسخ ومنسوخ کی پہچان ہوسکتی ہے مثلاً چوتھی مرتبہ شراب پینے والوں کو قتل کردینے والی حدیث جسے امام ابوداؤد وترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص شراب پیے تو اسے کوڑے مارو پھر اگر چوتھی مرتبہ بھی وہ ایسا ہی کرے تو اسے قتل کردو۔ مصنف (یعنی امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے شرحِ مسلم میں فرمایا ہے کہ اجماع اس کے نسخ پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: اس مسئلے میں ابن حزم ظاہری نے اختلاف کیا ہے، لیکن اس سے اجماع میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ امام سیوطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید آگے ارشادفرماتے ہیں:

وَاِنْ كَانَ ابْنُ حَزْمٍ خَالَفَ فِيْ ذٰلِكَ فَخِلَافُ الظَّاهِرِيَّةِ لَا يَقْدَحُ فِي الْاِجْمَاعِ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ناشر: دارطیبۃ، ج:۲ص:۶۴۶)

ترجمہ: اگرچہ ابن حزم نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے لیکن فرقۂ ظاہریہ کا

اختلاف اجماع کے ضرر رساں نہیں ہے۔

تنبیہ: اجماع خود ناسخ نہیں ہوتا بلکہ نسخ پر دلالت کرتا ہے۔

وجوہِ ترجیح

(۱) ایک حدیث کی سند کا راوی اَتقَن (زیادہ قابلِ اعتماد) اور اَحفَظ (زیادہ قوی حافظے والا) ہو اور دوسری حدیث کی سند کا راوی اتقان وحفظ میں اس حدیث کے راوی سے کمتر ہو تو پہلی حدیث کو اِس پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(۲) ایک حدیث کی سند کا راوی سماعتِ حدیث کے وقت بالغ ہو اور دوسری حدیث کی سند کا راوی سماعتِ حدیث کے وقت نابالغ ہو تو بالغ کی حدیث نابالغ کی حدیث پر ترجیح پا جائے گی۔

(۳) ایک حدیث کی سند کے راوی نے حدیث کو خود سنا ہو اور دوسری حدیث کی سند کے راوی نے حدیث لکھی ہوئی پائی ہو تو سننے والے کی حدیث راجح ہوگی۔

(۴) ایک حدیث کی سند کا راوی ایسی حدیث بیان کر رہا ہو جہاں وہ خود موجود تھا اور دوسری حدیث کی سند کا راوی دوسرے سے سن کر بیان کر رہا ہو تو دیکھے ہوئے کی حدیث سن کر بیان کرنے والے کی حدیث پر ترجیح پا جائے گی۔

(۵) ایک حدیث کی سند کے راوی نے حدیث کو مکمل اور اچھے انداز میں پیش کیا ہو اور دوسری حدیث کی سند کے راوی نے حدیث کو مختصر بیان کیا ہو تو پہلے کی مکمل حدیث دوسرے کی مختصر حدیث پر فائق ہوگی۔

(۶) ایک حدیث کی سند کا راوی اکثر اپنے شیخ سے استفادہ کرتا ہے اور دوسری سند کا راوی کبھی کبھی شیخ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے، تو اکثر استفادہ کرنے والے کی

حدیث کو کبھی کبھی استفادہ کرنے والے کی حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔

(۷) ایک راوی نے اپنے شہر کے کسی شیخ سے حدیث سنی ہو اور دوسرے راوی نے کسی دوسرے شہر کے شیخ سے حدیث سنی ہو تو اپنے شہر کے شیخ سے سماعتِ حدیث کرنے والے کی حدیث راجح ہوگی۔

(۸) دو متعارض احادیث میں اگر ایک کے راوی زیادہ ہوں اور دوسری کے کم ہوں تو زیادہ راویوں والی حدیث کو کم راویوں والی حدیث پر ترجیح دی جائے گی۔

(۹) ایک راوی نے بِالمُشافہ (آمنے سامنے) حدیث سنی ہو اور دوسرے نے پردے کے پیچھے سے سنی ہو تو بالمشافہ حدیث سننے والے کی روایت ترجیح پائے گی۔

(۱۰) ایک حدیث مختَلَف فیہ ہے اور دوسری حدیث میں کوئی اختلاف نہیں تو جس حدیث میں اختلاف نہیں ہے اسے راجح قرار دیا جائے گا۔

(۱۱) ایک حدیث لفظاً مضطرِب ہے اور دوسری اضطراب سے خالی ہے تو جس میں اضطراب نہیں ہے اسے ترجیح دے دی جائے گی۔

(۱۲) ایک حدیث محدثین کے اتفاق سے مرفوع ہے اور دوسری کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے تو پہلی حدیث ترجیح پائے گی۔

(۱۳) ایک حدیث باتفاقِ محدثین مُتّصِل ہے اور دوسری کے مُتّصِل ہونے میں اختلاف ہے تو پہلی حدیث ترجیح پائے گی۔

(۱۴) ایک سند کا راوی حفظ وضبط کے ساتھ فقہ میں بھی مہارت رکھتا ہو اور دوسری سند کا راوی صرف حفظ وضبط میں مشہور ہو تو فقیہ کی حدیث غیر فقیہ کی حدیث پر ترجیح پائے گی۔

(۱۵) ایک حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے ساتھ فعل کا بھی تذکرہ

ہےاور دوسری حدیث میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا صرف قول مذکور ہو تو جس حدیث میں قول وفعل دونوں مذکور ہیں اسے محض قولی حدیث پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(١٦) ایک حدیث پر خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عمل ہے اور دوسری حدیث پر عمل نہیں ہے تو جس حدیث پر عمل ہے وہ ترجیح پا جائے گی۔

(١٧) ایک حدیث قولی ہے اور دوسری فعلی تو قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(١٨) ایک حدیث عام ہے اور دوسری خاص ہے تو عام کو خاص پر ترجیح حاصل ہوگی۔

(١٩) ایک حدیث میں کسی فعل کی حرمت آئی ہے اور دوسری میں اِباحت ہے تو حُرمت والی حدیث اِباحت والی حدیث پر فائق ہوگی۔

(٢٠) ایک حدیث کی سند عالی ہے اور دوسری کی نازل ہے تو سندِ عالی سے مروی حدیث کو سندِ نازل سے مروی حدیث پر ترجیح حاصل ہے۔

(ملخصًا ازالاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الاٰثار)

واضح رہے کہ وجوہِ ترجیح ان کے علاوہ کثیر ہیں۔ علماے اصولیین نے تقریبًا ١٠٠/وجوہ شمار کرائے ہیں جن کی تفصیل مطولات میں ہے۔

وجوہِ جمع

(١) دو متعارض حدیثیں اگر عام ہوں تو یہ دیکھیں گے کہ دونوں کا تعلق کس سے ہے؟ اگر دونوں کا تعلق الگ الگ انواع سے ہے تو ہر ایک کو اس نوع سے متعلق قرار دے کر دونوں کے درمیان تطبیق پیدا کریں گے۔ اس کو **تنویع** کہتے ہیں۔

(٢) دونوں متعارض حدیثیں اگر خاص ہوں تو ہر ایک کو الگ الگ واقعے سے متعلق کر

دیں گے یا ایک کو حقیقت پر محمول کریں گے اور دوسری کو مجاز پر محمول کریں گے۔ اس کو **تبعیض** کہتے ہیں۔

(۳) اگر دونوں مطلق ہوں تو ہر ایک کے ساتھ ایسی قید بڑھا دی جائے گی جس سے دونوں کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ اس کو **تقیید** کہتے ہیں۔

(۴) اگر دو حدیثوں میں سے ایک عام ہو اور دوسری خاص ہو تو عام کو بھی خاص قرار دے کر دونوں میں تطبیق پیدا کی جائے گی۔ اس کو **تخصیص** کہتے ہیں۔

(۵) اگر دو حدیثوں میں سے ایک مُطلَق ہو اور دوسری مُقَیَّد ہو تو مطلق کو بھی مقید کر کے دونوں میں تطبیق پیدا کریں گے۔ البتہ اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ دونوں کا سبب اور حکم ایک ہونا چاہیے۔ اس کو **حمل** کہتے ہیں۔

زیادتِ ثقات

زیادتِ ثقات سے الفاظ یا سند کا وہ حصہ مراد ہوتا ہے جو دوسرے ثقہ راویوں کی روایت میں نہ ہو۔

زیادتی کی جگہ

زیادتی کی دو جگہیں ہیں:

(۱) متن میں زیادتی۔

اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو ایک کلمہ زائد ہوگا یا ایک جملہ زائد ہوگا۔

(۲) سند میں زیادتی۔

اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ موقوف کو مرفوع قرار دیا گیا ہو یا مُرسَل کو موصول۔

متن کی زیادتی کا حکم

اس میں علما کے چند اقوال ہیں:

(۱) مطلقاً مقبول ہے۔

(۲) مطلقاً مقبول نہیں۔

(۳) کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر راوی نے حدیث کو پہلے بغیر زیادتی کے بیان کیا تھا، پھر بعد میں کسی دوسرے سے زیادتی قبول کر کے بیان کیا، تو مقبول نہیں۔

ابن صلاح نے زیادتی کے قبول ورد کے سلسلے میں تین قسمیں بیان کیں جس کی موافقت امام نووی نے بھی فرمائی ہے۔ وہ تقسیم یہ ہے:

۱) ایسی زیادتی جو ثقات یا اوثق راویوں کی روایت کے مخالف نہ ہو۔

حکم: ایسی زیادتی مقبول ہے، اس لیے کہ وہ زیادتی اس حدیثِ غریب کی طرح ہے

جس کوکسی ثقہ راوی نے تنہا بیان کیا ہو۔

مثال: اس زیادتی کی مثال وہ روایت ہے جس کو امامِ مسلم نے کتے کے برتن میں منہ ڈالنے کے سلسلے میں "عَلِیُّ بْنُ مِسْهَرٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ رَزِيْنٍ وَ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ" کی سند سے روایت کیا ہے، اس میں "فَلْيُرِقْهُ" زائد کلمہ ہے جس کو امامِ اعمش کے کسی حافظ نے ذکر نہیں کیا بلکہ ثقہ راویوں نے اس کو اس طرح بیان کیا: اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ. اس میں "فلیرقه" نہیں ہے، لہٰذا یہ زیادتی ایسی ہے جس میں علی بن مسہر تنہا ہیں لیکن وہ ثقہ ہیں، لہٰذا یہ زیادتی مقبول ہوگی۔

۲) ایسی زیادتی جس میں ثقہ یا اوثق راویوں کی مخالفت ہو۔

حکم: مردود ہے، جیسا کہ شاذ کی بحث میں گزرا۔

مثال: يَوْمُ عَرَفَةَ وَ يَوْمُ النَّحْرِ وَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ عِيْدُنَا اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَ هِیَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّ شُرْبٍ.

اس میں یوم عرفہ کا لفظ زائد ہے، اس لیے کہ حدیث اپنی دیگر سندوں میں اس لفظ کے بغیر مروی ہے اور یہ صرف (مُوْسَی بْنَ عَلِیِّ بْنِ عَلِیٍّ اَبِیْ رَبَاحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ) کی سند سے ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

(۳) یعنی ایسی زیادتی جو درحقیقت چند ثقہ یا کسی اوثق راوی کے مخالف نہ ہو لیکن مخالفت کی بہرحال ایک صورت ہو۔ اس مخالفت کی دو صورتیں ہیں:

(۱) تَقْيِيْدُ الْمُطْلَقِ یعنی ایسی زیادتی جس سے کوئی حکمِ مطلق مقید ہو جائے۔

(۲) تَخْصِيْصُ الْعَامِّ یعنی ایسی زیادتی جس سے کوئی حکمِ عام خاص ہو جائے۔

ابن صلاح نے اس تیسری قسم کے بارے میں کوئی حکم نہیں لگایا لیکن امام نووی نے فرمایا کہ تخصیص العام مقبول ہے۔

نوٹ: امام شافعی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ وہ ایسی زیادتی قبول کرتے ہیں اور امام اعظم ایسی زیادتی کو قبول نہیں فرماتے جو کسی حکمِ مطلق کو مقید اور حکمِ عام کو خاص کردے۔

مثال: جس میں حکمِ مطلق مقید ہو جائے یا حکم عام خاص ہو جائے اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امامِ مسلم نے صحیح مسلم میں اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

عَنْ اَبِیْ مَالِکٍ الْاَشْجَعِیِّ عَنْ رِبْعِیٍّ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَ جُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُھَا لَنَا طَھُوْرًا.

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے پوری روئے زمین مسجد اور اس کی مٹی ہمارے لیے پاکی کا ذریعہ بنائی گئی۔

تو ابو مالک اشجعی نے "تُرْبَتُھَا" کا لفظ زائد روایت کیا ہے، جو دوسرے راویوں کی روایت میں نہیں ہے بلکہ ان کی روایت اس طرح ہے "وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَھُوْرًا" (ترجمہ: ہمارے لیے پوری روئے زمین مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنائی گئی ہے۔)

فائدہ: زمین اور جنس زمین سے تیمّم کے جائز اور ناجائز ہونے کا اختلاف اسی اصول وحدیث کی بنیاد پر ہے، ابو مالک اشجعی نے جو زیادتی پیش کی ہے اس زیادتی میں تیمّم کو مٹی کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے اور امام شافعی کے نزدیک ایسی زیادتی جو مطلق کو مقید کردے وہ مقبول ہے لہٰذا وہ اس زیادتی کو قبول کر کے صرف زمین کی مٹی سے تیمّم کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام اعظم کے نزدیک ایسی زیادتی جو مطلق کو مقید یا عام کو خاص کردے، مقبول نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اس حدیث "وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَھُوْرًا" کی بنیاد پر زمین اور جو کچھ زمین کی جنس سے ہیں مثلاً پاک مٹی، پتھر، ریت، ملتانی مٹی، گیرو، کچی یا پکی اینٹ وغیرہ سے تیمّم کو جائز قرار دیا ہے۔

سند میں زیادتی کا حکم

اس باب میں سند کی زیادتی کا مدار دو ایسی چیزوں پر ہے جو اکثر واقع ہوتی ہیں:

اول: ایک سند موصول ہو اور دوسری مرسل ہو۔

دوم: ایک سند سے حدیث مرفوع ہو اور دوسری سند سے موقوف ہو۔

حکم: اس زیادتی فی السند کے قبول ورد کے بارے میں چار اقوال ہیں:

(۱) جمہور فقہا اور اصولیین کے نزدیک اس ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوگی جو مرفوع یا موصول سند پیش کرے۔

(۲) اکثر محدثین کے نزدیک مرسل اور موقوف کو رد کردیا گیا۔

(۳) بعض محدثین نے فرمایا کہ ایسا ثقہ راوی مرسلاً یا موصولاً، موقوفاً یا مرفوعاً اکثر وبیشتر جس طرح بھی روایت کرے وہ مقبول ہے۔

(۴) بعض محدثین نے فرمایا ان صورتوں میں جو راوی زیادہ محفوظ رکھنے والا ہو اس کی روایت مقبول ہوگی۔

مثال: زیادتی فی السند کی مثال ''لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ'' ہے۔ اس کو یونس بن ابی اسحاق سبیعی اور ان کے صاحبزادے اسرائیل اور قیس بن ربیع نے ابو اسحاق سے مسنداً اور متصلاً روایت کیا ہے اور سفیان ثوری اور شعبہ بن حجاج نے ابو اسحاق سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

نوٹ: ثقات کی زیادتی سے متعلق اور بھی کلام ہے جس کی اس مختصر سی کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

ضعیف حدیث کے قوی ہونے کی صورتیں

کبھی کبھی حدیثِ ضعیف بھی حسن یا صحیح ہو جاتی ہے، اسے حَسَن لِغَیرِہٖ یا صَحِیح لِغَیرِہٖ کہتے ہیں۔حدیث ضعیف کے حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچنے کے متعدد اسباب ہیں۔

(۱) تعدّدِ طُرُق

تَعَدُّدِ طُرُق کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی حدیث کئی سندوں سے مروی ہو۔ایسی حدیث کبھی حسن لغیرہٖ اور کبھی صحیح لغیرہٖ بھی ہو جاتی ہے، اگر چہ اس کے دوسرے طُرُق بھی ضعیف ہوں۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ ''میزانُ الشَّریعة الکبریٰ''میں فرماتے ہیں:

قَدِ احْتَجَّ جُمْهُوْرُ الْمُحَدِّثِيْنَ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ اِذَا كَثُرَتْ طُرُقُهٗ وَ اَلْحَقُوْهُ بِالصَّحِيْحِ تَارَةً وَ بِالْحَسَنِ اُخْرٰى. (فتاویٰ رضویہ، ناشر: برکات رضا، جلد پنجم، ص:۴۷۳)

ترجمہ: حدیث ضعیف جب متعدد طریقوں (سندوں) سے مروی ہو تو جمہور محدثین اسے لائق استدلال مانتے ہیں اور اسے کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں۔

کسی ضعیف حدیث کے قوی ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ طُرُق بہت زیادہ ہوں بلکہ صرف دو طُرُق کے ملنے سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

''تیسیر''میں ایک روایت کے تعلق سے ہے:

ضَعِيْفٌ لِضُعْفِ عَمْرِو بْنِ الْوَاقِدِ لٰكِنَّهٗ يَقْوٰى بِوُرُوْدِهٖ مِنْ طَرِيْقَيْنِ.

(ایضاً، ص:۴۷۵)

ترجمہ: عمرو بن واقد (جو کہ متروک ہے) کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے لیکن دو سندوں سے آنے کی وجہ سے قوت پا گئی۔

(۲)　علما کا عمل

کسی حدیثِ ضعیف پر اہلِ علم کا عمل ہو جائے تو بھی وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جگہ جگہ حدیث پر کلام کرنے کے بعد فرمایا: **وَ الْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ.** (ترجمہ: علما کا اس پر عمل ہے۔)

حضرت مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قَالَ النَّوَوِیُّ: وَ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ نَقَلَهٗ مِیرَکُ فَکَانَ التِّرْمِذِیُّ یُرِیْدُ تَقْوِیَةَ الْحَدِیْثِ بِعَمَلِ اَهْلِ الْعِلْمِ. (مرقاۃ المفاتیح، ناشر: دار الفکر بیروت، حصہ سوم، ص:۸۷۹)

علامہ نَوَوی نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے، اس کو میرک نے نقل کیا۔ اس قول سے امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اہلِ علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو گئی۔

(۳)　مجتہد کا استدلال

مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ علامہ محمد امین بن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

اِنَّ الْمُجْتَهِدَ اِذَا اسْتَدَلَّ بِحَدِیْثٍ کَانَ تَصْحِیْحًا لَهٗ کَمَا فِی التَّحْرِیْرِ وَ غَیْرِهٖ. (رد المحتار علی الدر المختار، حصہ چہارم، ص:۵۵۳)

ترجمہ: کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کے صحت کی دلیل ہے، جیسا کہ تحریر وغیرہ کتابوں میں ہے۔

(۴)　صالحین کا عمل

صالحین کے عمل سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ صلاۃ التسبیح جس روایت

سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے۔ امام حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبداللہ بن مبارک (امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد) کے عمل کو بتایا:

قَالَ الْبَیْهَقِیُّ کَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَکِ یُصَلِّیْهَا وَ تَدَاوَلَهَا الصَّالِحُوْنَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ وَ فِیْ ذَالِکَ تَقْوِیَةٌ لِّلْحَدِیْثِ الْمَرْفُوْعِ.

(شعب الایمان للبیہقی، ناشر: مکتبۃ الرشد ریاض، حصہ دوم، ص: ۱۲۳)

ترجمہ: امام بیہقی نے کہا: عبداللہ بن مبارک صلاۃ التسبیح پڑھا کرتے تھے اور بعد کے صلحا اس کو ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو قوت مل گئی۔

(۵) تجربہ اور کشف

کبھی کبھی تجربے اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ حضرت مُلا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی کہ جو کلمۂ طیبہ ستر ہزار بار پڑھے اس کی مغفرت ہو جائے گی اور جس کے لیے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ میں نے یہ کلمۂ طیبہ ستر ہزار بار پڑھا تھا مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں کی تھی۔ ایک مرتبہ ایک دعوت میں گیا، اس میں ایک جوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا۔ یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا تو بتایا کہ میں اپنی ماں کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں اس کلمے کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ جوان فوراً ہنسنے لگا اور کہا: اب میں اپنی ماں کو اچھی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔

امام محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

فَعَرَفْتُ صِحَّةَ الْحَدِيْثِ بِصِحَّةِ كَشْفِهٖ وَ صِحَّةَ كَشْفِهٖ بِصِحَّةِ الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔ (مرقاۃ المفاتیح، ناشر: دار الفکر بیروت، حصہ سوم، ص:۸۷۹)

علامہ شہاب الدین خفاجی ''نسیم الریاض شرح شفا'' میں اور علامہ سید طحطاوی ''حاشیۂ درمختار'' میں نقل فرماتے ہیں کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن الحاج صاحبِ مدخل نے اس خیال سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بدھ کے دن ناخن ترشوالیا، انھیں برص ہو گیا، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابن الحاج سے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا تھا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم! وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں۔ فرمایا: اتنا کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمھارے کان تک پہنچی۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا، وہ فوراً اچھے ہو گئے، اسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر مخالفت نہ کروں گا۔

(فتاویٰ رضویہ، ناشر: برکات رضا، جلد پنجم، ص: ۵۰۰)

البتہ اگر حدیث موضوع ہے تو خواہ کتنے ہی طُرُق سے مروی ہوا گر سب پر موضوع ہی کا حکم ہو تو وہ موضوع اور نا قابلِ اعتبار ہی مانی جائے گی اس لیے کہ جھوٹ کی جھوٹ سے تقویت نہیں ہو سکتی۔

حدیثِ مردود کب کب مقبول ہوجاتی ہے

حدیثِ مردود (ضعیف) وہ حدیث ہے جس میں صحت کے تمام یا بعض شرائط نہ پائے جاتے ہوں اوراس کی تلافی بھی نہ ہوئی ہو۔

اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) **ضعیف بضُعفِ قریب:** یعنی ضُعف اتنا کم ہے کہ اعتبار کے لائق ہے، مثلاً یہ ضُعف اختلاطِ راوی، سُوءِ حفظ یا تدلیس کی وجہ سے ہو۔ یہ متابِعات اورشواہد کے کام آتی ہے اور دوسری سند سے قوت پا کر حسن لغیرہٖ بلکہ صحیح لغیرہٖ ہوجاتی ہے۔

(۲) **ضعیف بضُعفِ قوی و وَھمِ شدید:** جیسے وہ حدیث جوراوی کے فِسق اور دوسرے سخت اسبابِ جرح کی وجہ سے متروک ہو بشرطے کہ وہ جرح کِذب کی حدتک نہ پہنچی ہو۔ یہ احکام میں لائقِ استدلال نہیں، البتہ مذہبِ راجح پر فضائل میں مقبول ہے۔ ہاں تعدّدِ مخارج اور متعدد سندوں سے قوت پا کر بالاتفاق مقبول ہوجاتی ہے۔

نوٹ: امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''تعقُّبات'' میں فرماتے ہیں:

اَلْمَتْرُوْکُ وَ الْمُنکَرُ اِذَا تَعَدَّدَتْ طُرُقُهُ ارْتَقٰی اِلٰی دَرَجَةِ الضَّعِیْفِ الْغَرِیْبِ بَلْ رُبَّمَا ارْتَقٰی اِلَی الْحَسَنِ.

ترجمہ: متروک ومنکر (جو کہ سخت وقویّ الضعیف ہیں یہ) بھی تعدّدِ طُرُق سے ضعیفِ غریب بلکہ کبھی کبھی حسن کے درجے کوپہنچ جاتے ہیں۔

(۳) **مطروح یعنی وہ حدیث جس کا راوی وَضّاع، کذّاب یا مُتہَم بالکِذب ہو:** یہ حدیث کی بدترین قسم ہے بلکہ چنداصطلاحات کے

مطابق اسے بغیر کسی شرط کے اور ایک اصطلاح کے مطابق اگر اس کا دار و مدار کِذب پر ہو تو اسے موضوع کہتے ہیں، لیکن اصطلاحاتِ محدثین پر گہری نظر رکھنے والے اسے موضوعِ حکمی کہتے ہیں۔

(۴) **موضوع**: یہ بالاجماع نہ تو دوسری حدیث کو قوت دینے والی ہے اور نہ ہی خود لائقِ اعتبار ہے، حتّٰی کہ فضائل میں بھی اس کا اعتبار نہیں، بلکہ اسے حدیث کہنا بطورِ مجاز ہے، حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں ہے۔

کسی حدیث کو مردود کہنا ان دس اسباب کی بنیاد پر ہوتا ہے:

(۱) کِذب (۲) اِتّہامِ کِذب (۳) کثرتِ غلط (۴) غفلت (۵) فسق (۶) وَہم (۷) مُخالفتِ ثِقات (۸) جہالت (۹) بِدعت (۱۰) سُوءِ حفظ

مقبول و مردود کے حوالے سے ایک توضیح

لفظِ مردود سے یہ وَہم پیدا نہ ہو کہ احادیثِ مردودہ لائقِ عمل ہی نہیں بلکہ مردود ہونے کا مطلب صرف اِتنا ہے کہ وہ احادیث ثبوت کی پختگی میں مقبول سے کم ہیں۔ اسی طرح مقبول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی تمام قسموں پر عمل ہوگا بلکہ منسوخ اور مختلف الحدیث غیر ممکن الجمع جو اگر چہ مقبول کی قسمیں ہیں لیکن ان دونوں پر عمل نہیں۔ مقبول کا مطلب صرف اِتنا ہے کہ اس کا ثبوت زیادہ قوی ہے۔

متنِ حدیث کے موضوع ہونے کی پہچان

کسی بھی حدیث کے متن کوموضوع قرار دینا آسان کام نہیں ہے،اس لیے کہ بارہا محدثین کا کسی حدیث کوموضوع کہنا صرف چند سندوں یا ایک سندِ خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے۔اس سے متن کا موضوع ہونا ثابت نہیں۔ جیسے کہ یہ حدیث: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ.**

اس حدیث کوامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے موضوع قرار دیا ہے۔اس کی توضیح کرتے ہوئے امام ذَہبی نے فرمایا کہ امامِ احمد بن حنبل کا اسے موضوع کہنا ایک سندِ خاص کے اعتبار سے ہے ورنہ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی وجہ سے حسن ہے،اگرچہ تمام سندیں ضعیف ہیں۔

رہا متن کا موضوع ہونا تو اس کا علم دوسرے قرائن سے ہوتا ہے۔**اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:متنِ حدیث کا موضوع ہونا پندرہ طریقوں سے ثابت ہوتا ہے:**

(۱) وہ حدیث قرآنِ عظیم کے مضمون کے مخالف ہو۔

(۲) حدیثِ متواتر کے مضمون کے مخالف ہو۔

(۳) اجماعِ قطعی کے مخالف ہو۔

(۴) عقلِ صریح کے مخالف ہو۔

(۵) حِسِّ صریح کے مخالف ہو۔

(۶) تاریخِ یقینی کے مخالف ہو۔(نیز یہ مخالفت احتمالِ تاویل وتطبیق بھی نہ رکھتی ہو۔)

(۷) اس کا معنی ایسا قبیح ہو جس کا صدور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے معقول نہ ہو۔ جیسے کسی فساد یا ظلم یا بے کار بات یا بے وقوفی یا باطل کی تعریف یا حق کی مذمت پر

مشتمل ہو۔

(۸) اتنی بڑی جماعت جس کی تعداد حدِّ تواتر تک پہنچی ہو اور ان میں جھوٹ کا یا ایک دوسرے کی تقلید کا احتمال نہ رہے، اس کے کذب و بطلان کی گواہی مستند اِلی الحِس دے۔ (یعنی حدیث سَمِعْنَا، رَأَیْنَا، لَمَسْنَا وغیرہ الفاظ سے مروی ہو جن کا تعلق حِس سے ہے۔)

(۹) خبر کسی ایسی چیز کی ہو کہ اگر وہ واقع ہوتی تو اس کی نقل وروایت مشہور اور عام ہو جاتی مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتہ نہیں۔

(۱۰) کسی حقیر کام کی تعریف اور اس پر وعدہ اور بشارت یا کسی چھوٹے معاملے کی مذمت اور اس پر وعید اور تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنھیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے مشابہت نہ ہو۔

(۱۱) اس کے الفاظ حقیر اور رکیک ہوں جنھیں سن کر ایسا لگے کہ یہ الفاظ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نہیں ہو سکتے اور دل بھی منع کرے اور روایت بیان کرنے والا یہ دعوی کرے کہ یہی الفاظ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں یا وہ مقام ایسا ہو کہ وہاں نقل بالمعنی کی گنجائش ہی نہ ہو۔

(۱۲) رافضی ناقل حضرات اہل بیت کرام علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں۔ جیسے لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَ دَمُکَ دَمِیْ ۔اسی طرح حضرتِ امیر معاویہ اور حضرتِ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وہ مناقب جو صرف نَواصِب کی روایت سے آئیں۔ معلوم ہوا کہ جس طرح روافض نے امیر المومنین حضرت علی واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مناقب میں تین لاکھ کے قریب حدیثیں وضع کی ہیں۔ اسی طرح نواصب

نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں حدیثیں گڑھی ہیں۔

(۱۳) وہ موقع ایسا ہے جس سے پتہ چل رہا ہے کہ یہ روایت اس شخص نے کسی لالچ یا غصے وغیرہ کے سبب ابھی گڑھ کر پیش کر دی ہے۔

(۱۴) تمام کتابوں اور تصنیفاتِ اسلامیہ میں مکمل طور پر تلاش کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے۔ یہ کام صرف بڑے بڑے حُفاظِ احادیث کا تھا جس کی صلاحیت سیکڑوں سال سے کسی میں نہیں پائی جا رہی ہے۔

نوٹ: آج کل احادیث کی کتابوں پر مبنی کمپیوٹر کے متعدد سافٹ ویئرس ایجاد ہو چکے ہیں، جن میں حدیثیں اور روایتیں آسانی سے تلاش کی جا سکتی ہیں۔ اگر کوئی روایت ان میں نہ ملے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ وہ روایت ہے ہی نہیں۔ (مرتّبین)

(۱۵) راوی خود اقرار کرے کہ اس نے یہ حدیث وضع کی ہے، خواہ صراحت کے ساتھ اقرار کرے یا کوئی ایسی بات کہے جو اقرار کی منزل میں ہو، مثلاً کسی شیخ سے بلا واسطہ سننے کا دعوی کرے پھر اس کی سماعت کی وہ تاریخ بتائے کہ اس راوی کے اس شیخ سے سننے کو عقل تسلیم نہ کرے۔

افادہ: جو حدیث ان پندرہ باتوں سے خالی ہو اس پر بھی یوں ہی موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اس کے لیے بھی علما کے تین مذاہب ہیں:

اول: مذکورہ امور کے بغیر حدیث پر موضوع ہونے کا حکم بالکل نہیں لگایا جا سکتا اگر چہ راوی وَضّاع (گڑھ کر بیان کرنے والا) اور کَذّاب (جھوٹ بولنے والا) ہی کیوں نہ ہو۔

امام ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

مُجَرَّدُ تَفَرُّدِ الْكَذَّابِ بَلِ الْوَضَّاعِ وَ لَوْ كَانَ بَعْدَ الِاسْتِقْصَاءِ فِي التَّفْتِيشِ مِنْ حَافِظٍ مُتَبَحِّرٍ تَامِّ الِاسْتِقْرَاءِ غَيْرُ مُسْتَلْزِمٍ

لِّذٰلِکَ بَلْ لَا بُدَّ مَعَهُ مِنِ انْضِمَامِ شَیْءٍ.

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، ناشر: مکتبۃ السنۃ مصر، حصہ اول، ص:۳۱۴)

ترجمہ: اگر کوئی جلیل القدر حافظ جو کہ علم حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو، حدیث کی مکمل تحقیق وتفتیش کرے، اس کے باوجود وہ حدیث ایک کذاب بلکہ وضاع کی روایت کے علاوہ کہیں نہ ملے تب بھی حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جب تک کہ مذکورہ امور میں سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

دوم: ایسے وضّاع وکذاب پر تفَرُّد ہو (کہ تنہا اس سے کوئی روایت کی جائے) جس سے جان بوجھ کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) بہتان اور افترا کرنا ثابت ہو، اس کی حدیث کو موضوع کہیں گے، مگر یہ حکم بھی محض ظنِ غالب کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ یقینی طور پر، کیوں کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ ہاں اگر اس سے جان بوجھ کر افترا ثابت نہیں تو اس کی حدیث موضوع نہیں اگر چہ مُتّہم بالکذب (اس پر کذب کی تہمت) ہو۔ یہ علامہ ابن حجر وغیرہ علما کا مسلک ہے جیسا کہ خود علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اَلطَّعْنُ اِمَّا اَنْ یَّکُوْنَ لِکَذِبِ الرَّاوِیْ فِی الْحَدِیْثِ النَّبَوِیِّ بِاَنْ یَّرْوِیَ عَنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مَا لَمْ یَقُلْهُ مُتَعَمِّدًا لِّذٰلِکَ اَوْ تُهْمَتِهٖ بِذٰلِکَ. اَلْاَوَّلُ هُوَ الْمَوْضُوْعُ وَ الْحُکْمُ عَلَیْهِ بِالْوَضْعِ اِنَّمَا هُوَ بِطَرِیْقِ الظَّنِّ الْغَالِبِ لَا بِالْقَطْعِ اِذْ قَدْ یَصْدُقُ الْکَذُوْبُ وَ الثَّانِیْ هُوَ الْمَتْرُوْکُ.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر، ناشر: مطبعۃ سفیر ریاض، حصہ اول، ص:۱۰۶-۱۱۰)

ترجمہ: حدیث میں طعن کبھی راوی کے کذب کی وجہ سے ہوتا ہے، اس طرح کہ اس نے جان بوجھ کر ایسی روایت کی ہو جو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی نہ ہو اور کبھی

تہمتِ کذب کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پہلی قسم موضوع ہے مگر اس حدیث کے موضوع ہونے کا حکم بہ طورِ ظن ہوتا ہے نہ کہ بہ طورِ یقین، اس لیے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور دوسری قسم کو متروک کہتے ہیں۔

سوم: بہت سے علما جب کسی حدیث پر سے وضع کا حکم اٹھاتے ہیں تو اس کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ کیسے موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا، یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔ (ملخصًا از فتاویٰ رضویہ، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، جلد پنجم، ص: ۴۶۰-۴۶۴)

اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اگر راوی کذاب یا متہم بالکذب ہو تو کسی حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے (اگر راوی کذّاب ہو تو حکمِ وضع پر اتفاق اور اگر متّہم بالکذب ہو تو صرف بعض علما کے نزدیک حکمِ وضع ہوگا۔) اور جو حدیث مذکورہ اٹھارہ عیوب سے پاک ہو اس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ موضوع نہیں۔

حدیثیں کیوں گڑھی جاتی ہیں

حدیث گڑھنے کے بہت سے اسباب ہیں، ان میں سے چند مشہور یہ ہیں:

(۱) **تقرّب اِلی اللّٰہ**

کبھی لوگوں کو نیکی کی رغبت دلانے یا کسی غلط کام سے خوف دِلانے کے لیے گڑھ لی جاتی تھیں۔ یہ وضع کرنے والے ایسے لوگ تھے جنھیں لوگ، زاہد، نیک اور صالح سمجھتے تھے۔ ان کا شمار حدیث گڑھنے والوں میں سب سے برے لوگوں میں ہوتا ہے، اس لیے کہ لوگ ان کے ظاہری زہد وتقویٰ پر بھروسہ کر کے ان کی گڑھی ہوئی حدیثوں کو قبول کر لیتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام میسرہ بن عبدربّہ ہے جو بظاہر بڑا متقی اور پرہیز گار تھا، ابن حِبّان نے ''الضعفاء'' میں عبدالرحمٰن بن مہدی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے میسرہ سے کہا کہ تجھے یہ حدیثیں کہاں سے ملیں کہ جو یہ سورت پڑھے اس کے لیے یہ فضیلت ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے لوگوں کو قرآن پڑھنے کی ترغیب دلانے کے لیے گڑھ لی ہے۔

(۲) **اپنے مذھب کو تقویت پھنچانا**

خاص کر فرقہ ہاے باطلہ یعنی خوارج، روافض، شیعہ، معتزلہ، کرّامیہ وغیرہ کا یہ مقصد رہا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے عقائد کو ثابت کرنے اور اپنے مذہب کو تقویت پہنچانے کے لیے حدیثیں گڑھ لیں۔ جیسے کہ رافضیوں کا قول: عَلِیٌّ خَیْرُ الْبَشَرِ مَنْ شَکَّ فِیْهِ کَفَرَ (ترجمہ: علی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں، جو اس میں شک کرے کافر ہے۔)

(۳) اسلام کو بدنام کرنا

یہ گڑھنے والے ملحد و بے دین لوگ ہیں، جو کھل کر اسلام کی مخالفت تو نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انھوں نے حدیث گڑھ کر اسلام کو بدنام کرنے اور اس میں شک و شبہ پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔ ان میں سے محمد بن سعید شامی ہے، جس کی بے دینی پر اسے پھانسی دی گئی تھی۔ وہ حدیث اس طور پر روایت کرتا تھا: عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ (ترجمہ: میں سب سے آخری نبی ہوں، میرے بعد (اصلًا) کوئی نبی نہیں، البتہ اگر اللہ چاہے (تو ہوسکتا ہے) معاذ اللہ۔) ائمۂ جرح وتعدیل نے بیان کر دیا ہے کہ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ موضوع ہے۔

(۴) بادشاہوں کا قرب حاصل کرنا

کچھ لوگ بادشاہوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے بادشاہوں کے کام کے موافق حدیث گڑھ لیتے تھے۔ جیسے کہ ایک مرتبہ غیاث بن ابراہیم نخعی امیر مہدی کے پاس آیا، اس وقت وہ کبوتر کے ساتھ کھیل رہا تھا، غیاث نے فورًا ایک مرفوع سند گڑھ لی اور کہا: لَا سَبَقَ اِلَّا فِيْ نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ اَوْ جَنَاحٍ. (ترجمہ: تیراندازی، اونٹ سواری، گھوڑ سواری اور پرندوں کے سوا اور کسی چیز میں مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے۔) اس نے مہدی کی خوشی کے لیے جَنَاح (پرندوں) کا لفظ بڑھا دیا حالاں کہ یہ لفظ حدیث میں نہیں تھا۔

(۵) طلبِ معاش

جیسے کہ بعض قصہ گو لوگ جو کہ لوگوں کو قصے سنا سنا کر کمائی کیا کرتے، وہ عجیب وغریب حدیثیں گڑھ کر لوگوں کو سنایا کرتے تھے تا کہ لوگ انھیں پیسے دیا کریں۔

ان میں ابوسعید المدائنی کا نام بہت مشہور ہے۔

(۶) **شہرت**

بعض لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے حدیثیں گڑھ لیا کرتے تھے اور ایسی روایتیں بیان کرتے تھے جو دوسرے محدثین کے پاس نہیں ہوتی تھیں۔ وہ لوگ حدیث کی سند اُلٹ دیتے تھے تاکہ وہ عجیب وغریب ہو جائے اور لوگ اس سند کو سننے کے خواہش مند ہوں۔ جیسے کہ ابنِ ابی دِحیہ اور حماد نصیبی۔

(ملخصًا از تیسیر مصطلح الحدیث، ص:۱۱۴)

حدیثِ حسن اور امامِ ترمذی کی اصطلاحِ خاص

حضرتِ امامِ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت ہے کہ آپ متعدد مقامات پر ایک حدیث میں دو صفتیں جمع کر کے، اس کے سلسلے میں ''هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ '' یا ''هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ '' فرماتے ہیں۔ یہ کسی قسم کی حیرانی کی بات نہیں ہے اس لیے کہ ایک ہی حدیث بیک وقت حسن اور غریب بھی ہو سکتی ہے اور حسن اور صحیح بھی۔

حدیثٌ حسنٌ غریبٌ کی توجیہ

اس لیے کہ حسن وہ حدیث ہے جس میں ضبطِ راوی کے سلسلے میں کچھ کمی واقع ہو گئی ہو اور غریب وہ حدیث ہے جس کے کسی طبقے میں ایک راوی ہو۔ تو اگر کوئی ایسی حدیث پائی گئی جس کے کسی طبقے میں فقط ایک راوی ہو اور ساتھ ہی اس کے راویوں میں سے کسی کے ضبط میں کمی بھی واقع ہو تو وہ حدیث بیک وقت غریب اور حسن دونوں ہو گی۔

حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ کی توجیہ

جب آپ ''هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ'' کہتے ہیں تو اس میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن اور صحیح ایک دوسرے کے مقابل میں ہیں۔ یعنی صحیح کا درجہ اعلیٰ ہوتا ہے اور حسن کا درجہ اس سے کمتر ہوتا ہے۔ پھر امام ترمذی دونوں کو ایک ساتھ جمع کر کے ''هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ'' کیسے کہتے ہیں؟ علما نے اس کی چند توجیہات بیان کی ہیں:

(۱) وہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے حسن ہوتی ہے اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہے۔

(۲) یہ امام ترمذی کی خاص اصطلاح ہے جس کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں جس جگہ حدیثِ حسن کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی سند میرے نزدیک حسن ہے اور میرے نزدیک حسن وہ حدیث ہے جس کے کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہوں، وہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو اور شاذ بھی نہ ہو۔ اس اعتبار سے امام ترمذی کا ایک ہی حدیث کو حسن اور صحیح کہنا اس طور پر ہوگا کہ وہ عام محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح ہے اور آپ کی اصطلاح کے مطابق حسن ہے۔
(دیگر توجیہات مطولات میں مذکور ہیں۔فمن شاء فلیراجع)

نَحْوُہٗ اور مِثْلُہٗ کا مطلب

☆ ایک حدیث دو سندوں سے مروی ہو اور دونوں کا لفظ اور معنٰی ایک ہی ہو تو محدثین دوسری سند کی تعبیر ''مِثْلُہٗ'' سے کرتے ہیں۔

☆ ایک حدیث دو سندوں سے مروی ہو اور دونوں صرف معنٰی میں موافق ہوں اور لفظ میں نہ ہوں تو محدثین دوسری سند کی تعبیر ''نَحْوَہٗ'' سے کرتے ہیں۔

حدیثِ مُعَنْعَن

لفظ عَنْ سے جو حدیث روایت کی جاتی ہے اسے حدیثِ مُعَنْعَن کہتے ہیں اور اس طرح روایت کرنے کو عَنْعَنَہ کہا جاتا ہے۔

حدیثِ معنعن کا حکم

دو شرائط کے ساتھ اسے متصل شمار کرتے ہیں۔(۱) راوی مُدلِّس نہ ہو۔(۲) جن راویوں کے درمیان عَن آئے وہ ایک ہی زمانے کے ہوں۔

غیر مُدَلِّس کی حدیثِ مُعَنعَن کے شرائط میں امام بخاری و مسلم کا اختلاف

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مُعَنْعَنْ کو متصل السند قرار دینے کے لیے راوی اور مروی عنہ کے زمانے کے ایک ہونے کی شرط کے ساتھ یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ دونوں کی ملاقات بھی ثابت ہو' تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس نے یہ حدیث مروی عنہ سے سنے بغیر ہی روایت کر دی ہے۔اگر دونوں کی ملاقات ثابت نہ ہو تو اگرچہ دونوں کا زمانہ ایک ہو اسے صحیح نہیں قرار دیا جائے گا۔

اس کے برخلاف امام مسلم اور دوسرے محدثین فرماتے ہیں کہ ہم عصر ہونا اتصالِ سند کے لیے کافی ہے، اگرچہ ملاقات کا ثبوت نہ ہو۔

اس سلسلے میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری پر سخت جرح کی ہے اور اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے بہت طویل کلام فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر امامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ مُعَنعَن قبول کرنے کے لیے ملاقات کو شرط مانیں گے تو ان پر یہ لازم آئے گا کہ وہ عنعنہ کو بالکل قبول ہی نہ کریں اگرچہ ملاقات ثابت بھی ہو جائے اس لیے

کہ جس روایت کوراوی مروی عنہ سے روایت کرر ہاہے ممکن ہے کہ خاص وہ روایت فی نفسہٖ اس سے نہ سنا ہو۔

امام بخاری کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد ہے کہ راوی مدَلِّس نہیں ہے۔ اگر امام مسلم کا الزام تسلیم کیا جائے تو راوی مُدَلِّس ٹھہرے گا، حالاں کہ تسلیم یہ ہے کہ راوی مُدَلِّس نہیں ہے۔

عَنعَنہ کے تعلق سے افادۂ رضویہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عَنعَنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص: ۲۴۵)

ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علما کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست و ہشتم، ص: ۸۱)

روایت کے الفاظ

سندوں کے ذکر میں مختلف الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:
قَالَ، اَخبَرَ، اَنبَأَ، حَدَّثَ، رَوٰی، رُوِیَ، سَمِعْتُ وغیرہ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قَالَ، سَمِعَ، اَخْبَرَ، حَدَّثَ، اَنبَأَ، رَوٰی سب کا معنی ایک ہی ہے، یہی مذہب امام زہری، امام مالک، امام ابن عیینہ، امامِ یحییٰ قطان، اکثر اہل حجاز، اہل کوفہ اور حضرت امام اعظم رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ علامہ ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اسی کو ترجیح دی ہے، امام حاکم نے فرمایا کہ یہی ائمۂ اربعہ کا بھی مذہب ہے۔

مگر امام مسلم اور ترمذی وغیرہما فرماتے ہیں کہ اگر شیخ پڑھے اور شاگرد سنے تو اسے حَدَّثَ سے بیان کیا جاتا ہے اور اگر شاگرد پڑھے اور شیخ سنے تو اسے اَخْبَرَ اور اَنبَأَ سے بیان کیا جاتا ہے، یہی امام ابن جریج، امام اوزاعی، امام شافعی، امامِ ابن وہب اور جمہورِ اہل مشرق کا مسلک ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

روایت باللفظ اور بالمعنیٰ

روایت بالمعنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کو جن الفاظ میں سنا ہے ان کے ہم معنیٰ دیگر الفاظ میں بیان کرے۔

اس سلسلے میں محدثین کی مختلف رائیں ہیں:

اگر وہ شخص الفاظ، ان کے معانی، مفہوم اور مقصد کو نہیں جانتا ہے تو اس کے لیے روایت بالمعنیٰ بالاتفاق جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنے ہوئے الفاظ کے ساتھ ہی روایت کرے۔

اگر وہ شخص الفاظ، ان کے معانی، مفہوم اور مقصد کو جاننے والا ہو کہ دوسرے الفاظ

کے ذریعے ان کے معانی کو اس طرح بیان کرسکتا ہو کہ مفہوم میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو محدثین اور فقہا کی ایک جماعت نے اسے جائز قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے اس صورت میں بھی روایت بالمعنٰی کو جائز نہیں ٹھہرایا ہے۔اس جماعت میں حضرت ابن سیرین، ثعلب اور ابوبکر رازی حنفی رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ کہنا ہے کہ روایت بالمعنٰی حدیثِ مرفوع میں جائز نہیں، غیر حدیثِ مرفوع (اقوال صحابہ وغیرہ) میں جائز ہے۔

جمہور محدثین جن میں سے ائمۂ اربعہ بھی ہیں، روایت بالمعنٰی کو اس صورت میں جائز قرار دیتے ہیں جب کہ راوی کی جانب سے معنٰی کی ادائیگی کا یقین ہو۔اس لیے کہ صحابہ اور تابعین سے کئی ایسی روایتیں مروی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روایت بالمعنٰی جائز ہے اس لیے کہ ایک ہی روایت کو مختلف صحابہ اور تابعین نے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔حدیثِ مرفوع میں ہے کہ سلیمان بن اُکیمہ لیثی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا: میں آپ سے جو حدیث سنتا ہوں، اسے بعینہٖ بیان نہیں کر پاتا ہوں، حرف دو حرف گھٹ بڑھ جاتے ہیں۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا لَمْ تُحِلُّوْا حَرَامًا وَّ لَمْ تُحَرِّمُوْا حَلَالًا وَّ اَصَبْتُمُ الْمَعْنٰی فَلَا بَأْسَ.

ترجمہ: تم (روایت بالمعنٰی کرنے میں) کسی حرام کو حلال نہ ٹھہراؤ، کسی حلال کو حرام نہ ٹھہراؤ اور اس کا مفہوم ادا کر لے جاؤ تو کوئی حرج نہیں۔

(تدریب الراوی، ناشر: المکتبۃ التوفیقیۃ، حصہ دوم، ص:۳۳۶)

راویوں میں ایک طرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے الفاظ حدیث کافی حد تک محفوظ رکھے لیکن دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے حدیث کے محض معانی محفوظ رکھنے کو کافی سمجھا۔حضرت عبد الملک بن عمیر فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَاُحَدِّثُ بِالْحَدِیْثِ فَمَا اَدَعُ مِنْهُ حَرْفًا.

(شرح علل الترمذی، ناشر:مکتبۃ المنار اُردن، حصہ اول،ص:۴۳۱)

ترجمہ:میں حدیث بیان کرتا ہوں تو ایک حرف بھی نہیں چھوڑتا۔

حضرت محمد بن سیرین فرماتے ہیں:

كُنْتُ اَسْمَعُ مِنْ عَشَرَةٍ، اَللَّفْظُ مُخْتَلِفٌ وَ الْمَعْنٰى وَاحِدٌ. (ایضًا)

ترجمہ: میں دس آدمیوں سے حدیث سنتا تھا، الفاظ مختلف ہوتے تھے لیکن مفہوم ایک ہی ہوتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ کچھ راویوں نے حدیث کے اصل الفاظ یاد رکھنے کی کوشش کی تو کچھ نے معنی اور مفہوم محفوظ رکھ لینا کافی سمجھا اور عام حالات میں یہی ممکن بھی تھا جیسا کہ حضرت وکیع کا فرمان ہے:اِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَعْنٰى وَاسِعًا فَقَدْ هَلَكَ النَّاسُ.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی للسیوطی، ناشر: دار طیبۃ، حصہ اول، ص:۵۳۶)

ترجمہ:اگر حدیث بالمعنی روایت کرنے کی وسعت نہ ہوتی تو لوگ ہلاکت میں پڑ جاتے۔

احادیث سے ثابت ہونے والے امورواحکام

احادیث سے جن مسائل واحکام کا اِثبات ہوتا ہے وہ چار قسموں پر ہیں:

(۱) **عقائدِ قطعیہ**۔ جیسے توحید ورسالت، قرآن کا کتاب اللہ ہونا۔ ان جیسے عقائد کا اثبات صرف حدیثِ متواتر سے ہی ہوگا۔ چاہے متواترِ لفظی ہو یا معنوی۔

(۲) **عقائدِ ظنیہ**۔ جیسے قبر کے احوال، انبیا کی ملائکہ پر فضیلت، میزانِ عمل وغیرہ۔ ان کا اثبات خبرِ واحد سے بھی ہوتا ہے۔

(۳) **احکامِ حلال و حرام**۔ اِن کے اِثبات کے لیے حدیثِ صحیح یا کم ازکم حسن لغیرہٖ ہونی لازم ہے۔ احادیثِ ضِعاف ان تینوں قسموں میں ناکافی ہیں۔

(۴) **فضائل و مناقب**۔ خواہ اعمال کی فضیلتیں ہوں یا اشخاص کی فضیلتیں، ان کے حوالے سے علما ضعیف احادیث کو بالاتفاق معتبر مانتے ہیں۔

احادیثِ آحاد اگرچہ صحیح ہوں عقائد میں کافی نہیں

جن باتوں کا ثبوت احادیث کریمہ سے ہوتا ہے وہ سب مرتبے میں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ کسی کا مرتبہ اعلیٰ ہوتا ہے تو کسی کا مرتبہ کم ہوتا ہے۔ عقائد میں حدیثِ متواتر و مشہور کا ہونا ضروری ہوتا ہے، حدیثِ آحاد اگرچہ صحیح ہو عقائد میں کافی نہیں ہوتی ہے۔ یہی عقائد اسلامیہ کا اصول ہے۔

علامہ تفتازانی، شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

خَبَرُ الْوَاحِدِ عَلٰی تَقْدِیْرِ اشْتِمَالِہٖ عَلٰی جَمِیْعِ الشَّرَائِطِ الْمَذْکُوْرَۃِ فِیْ اُصُوْلِ الْفِقْهِ لَا یُفِیْدُ اِلَّا الظَّنَّ وَ لَا عِبْرَۃَ بِالظَّنِّ فِیْ بَابِ الْاِعْتِقَادَاتِ.

ترجمہ: حدیثِ آحاد اگرچہ اصولِ فقہ میں مذکور تمام شرائطِ صحت کی جامع ہو پھر بھی ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملۂ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''مَنَحُ الرَّوْضِ الْاَزْھَرِ'' میں فرماتے ہیں: اَلْاٰحَادُ لَا تُفِیْدُ الْاِعْتِمَادَ فِی الْاِعْتِقَادِ.

ترجمہ: احادیثِ آحاد اعتقاد میں قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔

احکام میں احادیث ضعیفہ کا اعتبار نہیں

دوسرا درجہ احکام کا ہے۔ ان کے لیے اگرچہ احادیث کا اس حد تک قوی ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے جتنا بابِ اعتقاد میں ہوتا ہے لیکن پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہٖ، صحیح لغیرہٖ یا کم از کم حسن لذاتہٖ یا حسن لغیرہٖ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ضعیف حدیث احکام میں لائقِ استدلال نہیں ہوتی ہے۔

حدیثِ ضعیف باتفاقِ محدثین فضائل میں مقبول ہے

تیسرا درجہ فضائل و مناقب کا ہے، اس سلسلے میں باتفاقِ علما حدیثِ ضعیف بھی معتبر مانی جاتی ہے۔ مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی فضیلت آئی ہے کہ جو ایسا کرے گا اسے اس قدر ثواب حاصل ہوگا یا پھر کسی نبی یا کسی صحابی کی خوبی بیان ہوئی ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں یہ مقام عطا فرمایا ہے تو ایسی باتوں کو مان لینے کے لیے حدیثِ ضعیف بھی کافی ہوتی ہے۔

اس کا ثبوت احادیث سے بھی ملتا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ بَلَغَهٗ عَنِ اللّٰهِ شَیْءٌ فِیْهِ فَضِیْلَةٌ فَاَخَذَ بِهٖ اِیْمَانًا وَّ رَجَاءً ثَوَابَهٗ اَعْطَاهُ اللّٰهُ ذٰلِکَ وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ. (کنز العمال، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، حصہ: ۱۵، ص: ۷۹۱)

ترجمہ: جسے کسی بات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب کچھ فضیلت کی خبر پہنچے، وہ اپنے یقین اوراس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ ثواب عطا فرمائے گا اگرچہ وہ بات درحقیقت ویسی نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَا قِيْلَ مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ فَاَنَا قُلْتُهُ.

(سنن ابن ماجہ، ناشر: دار احیاء التراث العربیۃ، حصہ اول، ص: ۹)

ترجمہ: جو بھی اچھی بات کہی جائے تو وہ میں نے کہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا حُدِّثْتُمْ عَنِّیْ بِحَدِيْثٍ يُّوَافِقُ الْحَقَّ فَخُذُوْا بِهٖ حَدَّثْتُ بِهٖ اَوْ لَمْ اُحَدِّثْ بِهٖ. (کنز العمال، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، حصہ دہم، ص: ۲۳۰)

ترجمہ: جب تم سے میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کی جائے جو حق کے موافق ہو تو اسے لے لو، خواہ حقیقت میں میں نے اسے بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

ان روایتوں سے پتہ چلا کہ فضائل کے باب میں احادیثِ ضعیفہ معتبر ہیں اور اگر کسی حدیث میں کسی عملِ خیر کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے تو اس پر عمل سے یہ کہہ کر رکنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے اور متعدد محدثین سے اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

امامِ ابوزکریا نووی' اربعین میں اور امامِ ابنِ حجر مکی' شرحِ مشکوٰۃ میں اور حضرت مُلّا علی قاری مرقاۃ المفاتیح میں ارشاد فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ (وَ لَفْظُ الْاَرْبَعِيْنَ قَدِ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ) عَلٰی جَوَازِ

اَلْعَمَلِ بِالْحَدِيْثِ الضَّعِيْفِ فِيْ فَضَائِلِ الْاَعْمَالِ.

ترجمہ: حفّاظِ حدیث وعلماے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پرعمل جائز ہے۔

اب اگر کوئی شخص فضائل کے باب میں حدیث پر کلام کرتا ہے اور ''ضعیف، ضعیف'' کی رَٹ لگا کر اسے فضائل کے باب میں بھی غیر مقبول قرار دینے کی کوشش کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہونے والے احکام کے تعلق سے بالکل معلومات نہیں ہے۔ (ملخصًا از فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم)

دورِ حاضر میں تصحیح، تحسین اور تضعیف کا حکم

حدیث کی تصحیح وتضعیف کا تعلق چند چیزوں سے ہے، جب تک کہ ان کی رعایت نہ کی جائے، اس وقت تک حدیث پر صحت وضعف کا حکم لگانا ایک ناممکن امر ہے، جس کا اقرار ہر اس شخص کو ہوگا جو اس علم سے ذرا بھی شغل رکھتا ہے۔ ان چیزوں میں سے ایک کا تعلق راوی کی عدالت وضبط سے ہے اور دوسری چیز کا تعلق علم تاریخ سے ہے، جس سے راوی کی تاریخِ پیدائش اور وفات، اُس کا زمانۂ طالبِ علمی اور اخذ وسماعِ حدیث کے لیے مختلف شہروں کا سفر وغیرہ معلوم ہوتا ہے۔ گویا کہ راوی کے حالاتِ زندگی سب سے اہم چیز ہیں جن کے بغیر اس کے ثقہ، غیر ثقہ، مقبول وغیر مقبول ہونے کا علم اور فیصلہ نہ ہو سکے گا۔

اس لیے محدثین وائمۂ جرح وتعدیل نے یہ تمام چیزیں کتابوں کی شکل میں جمع کر دی ہیں جن میں انھوں نے راویانِ حدیث کے ان تمام احوال وکوائف کا ذکر کر دیا ہے اور راوی کے مقبول وغیر مقبول ہونے کی تعیین وتوضیح فرما دی ہے۔

جرح وتعدیل کا یہ سلسلہ ۴۵۸ھ تک یعنی امام بیہقی کے عہد تک ہے، اس لیے کہ ان کے زمانہ تک احادیث کے تمام معتمد مجموعے جمع کیے جا چکے تھے، اس زمانے کے بعد کے راویوں کے حالاتِ زندگی کو جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس کی ضرورت رہ گئی تھی، لہٰذا اب احادیث کو صحیح، حسن یا ضعیف قرار دینے کے لیے ائمۂ فن نے جو تصریح فرمائی ہے وہی قابلِ قبول ہوگی۔ کوئی شخص اصولِ جرح وتعدیل وتفصیلاتِ اسماء الرجال کے برخلاف محض اپنی رائے سے کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف نہیں کہہ سکتا ہے۔ البتہ کتبِ جرح وتعدیل اور کتبِ اسماء الرجال کی روشنی میں ائمۂ محدثین کے مرتب کردہ (تصحیح، تحسین وتضعیف) کے اصول وقواعد کے مطابق تحقیقات کی جاتی ہیں اور کی جاتی رہیں گی۔ (ان شاء اللہ)

حدیث کے صحیح نہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

اردو میں صحیح اور غلط ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اس لیے اگر کسی حدیث کے بارے میں محدثین نے یہ لکھ دیا کہ ''یہ صحیح نہیں'' تو آج کل کے گمراہ فرقے ناواقف عوام کو فریب دینے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے یعنی موضوع یا باطل ہے یا بے اصل ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ محدثین نے حدیث کی جو اصطلاحیں بیان فرمائی ہیں انھیں اچھی طرح سمجھ لیا جائے تاکہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا مطلب بالکل واضح ہو جائے۔

محدثین کی زبان میں صحیح غلط کا مقابل نہیں بلکہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے کہ وہ **صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں** جس میں اعلیٰ درجے کی صفات پائی جاتی ہوں، اس کے مقابل میں سات قسمیں ہیں جن کا ذکر حصۂ دوم میں ہو چکا ہے۔ اس لیے محدثین نے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ کہہ دیا کہ ''یہ صحیح نہیں'' تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ موضوع یا باطل یا بے اصل ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم یعنی **صَحِیح لِذَاتِہٖ** نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ **صَحِیح لِغَیْرِہٖ** ہو، **حَسَن لِذَاتِہٖ** ہو، **حَسَن لِغَیرِہٖ** ہو جس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔اس لیے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کے فرمان ''یہ صحیح نہیں'' سے اس کے باطل یا موضوع ہونے پر دلیل لانا جہالت ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشیں کر لیں کہ محدثین کا کسی حدیث پر جرح کرنا یا کوئی حکم لگانا بارہا صرف اسی سند کے ساتھ خاص ہوتا ہے جس پر جرح کی گئی ہے اور بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث پر اس کی ایک سند کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع تک کا حکم لگا دیا جاتا ہے مگر دوسری سند سے وہ ثابت ہوتی ہے۔ جیسے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حدیث ''**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ**'' کے بارے میں کہا ہے کہ یہ کذب ہے مگر علامہ

ذہبی نے فرمایا یہ حکم اس مخصوص سند کے اعتبار سے ہے جس میں ابراہیم بن موسیٰ المروزی ہے ورنہ یہ حدیث دوسرے طرق سے ثابت ہے، خود سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث مذکور ہے اگرچہ محققین نے ان اسناد کو بھی ضعیف قرار دیا ہے مگر حدیث کے الفاظ کو صحیح کہا ہے۔

(ملخصًا از میزان الاعتدال للذہبی، ناشر: دارالمعرفۃ بیروت، حصہ اول، ص:۶۹)

امام ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' میں فرماتے ہیں: **قَوْلُ اَحْمَدَ اِنَّهٗ لَا يَصِحُّ اَیْ لِذَاتِهٖ فَلَا يَنْفِیْ كَوْنَهٗ حَسَنًا لِغَيْرِهٖ وَ الْحَسَنُ لِغَيْرِهٖ يُحْتَجُّ بِهٖ كَمَا بُيِّنَ فِیْ عِلْمِ الْحَدِيْثِ.** (الصواعق المحرقۃ، ناشر: مؤسسۃ الرسالۃ لبنان، حصہ دوم، ص:۵۳۶)

ترجمہ: امام احمد کا فرمانا کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں''، اس کا یہ معنی ہے کہ وہ صحیح لذاتہٖ نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ وہ حدیث حسن لغیرہٖ بھی نہ ہو اور حدیث حسن اگرچہ لغیرہٖ ہو قابلِ حُجت ہوتی ہے جیسا کہ علمِ حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔

مسند الحفاظ میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اذکارِ امام نووی کی تخریجِ احادیث میں فرماتے ہیں: **مَنْ نَفِیَ الصِّحَّةَ لَا يَنْفِی الْحُسْنَ۔**

ترجمہ: صحت کی نفی سے حدیث کے حسن ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔

(فتاویٰ رضویہ، ناشر: برکاتِ رضا، جلد پنجم، ص:۵۰۰)

مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں امام محقق علی الاطلاق حضرت محمد بن الہمام رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

وَ قَوْلُ مَنْ يَقُوْلُ فِیْ حَدِيْثٍ اَنَّهٗ لَمْ يَصِحَّ اِنْ سُلِّمَ لَمْ يَقْدَحْ لِاَنَّ الْحُجِّيَّةَ لَا تَتَوَقَّفُ عَلَى الصِّحَّةِ بَلِ الْحَسَنُ كَافٍ.

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ناشر: دارالفکر بیروت، حصہ دوم، ص:۷۹۵)

ترجمہ: کسی حدیث کی نسبت کہنے والے کا یہ کہنا کہ وہ صحیح نہیں ہے اگر یہ مان بھی لیا

جائے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیوں کہ کسی حدیث کا لائقِ استدلال ہونا صرف حدیث صحیح پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ حدیث حسن بھی کافی ہوتی ہے۔

امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''النُّکت علٰی مقدّمة ابْنِ الصَّلاح'' اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ''اَللَّاٰلِی الْمَصْنُوْعَةُ'' میں فرماتے ہیں: ہم محدثین کا کسی حدیث سے متعلق یہ کہنا کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' اور اسے موضوع کہنے میں بڑا فرق ہے۔ کسی حدیث کے موضوع کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے اسے کذب و افترا ٹھہرایا ہے اور غیر صحیح کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث ہی نہیں بلکہ صرف یہ لازم آتا ہے کہ حدیث صحیح کے مقام تک نہیں پہنچی ہے۔

(اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۱۸)

امام ابن حجر عسقلانی ''القول المسدد فی الذباب عن مسند احمد'' میں فرماتے ہیں:

لَا یَلْزَمُ مِنْ کَوْنِ الْحَدِیْثِ لَمْ یَصِحَّ اَنْ یَّکُوْنَ مَوْضُوْعًا.

(ناشر: مکتبۃ ابن تیمیۃ قاہرہ، حصہ اول، ص:۳۷)

ترجمہ: کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

محدثین اور احناف کا بعض اصطلاحات میں اختلاف

فقہائے احناف اور خبرِ مشہور

فقہائے احناف کے نزدیک خبرِ مشہور اسے کہتے ہیں جو عہدِ صحابہ میں عزیز یا غریب تھی، بعد میں تواتر کے درجے کو پہنچ گئی یا بالعموم مشہور ہوگئی۔

عندالاحناف اس کا حکم

یہ لگ بھگ متواتر ہی کی طرح علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور اس سے ثابت ہونے والے احکام متواتر سے حاصل ہونے والی احکام کی طرح ہوتے ہیں۔ اس سے حاصل شدہ علمِ اطمینان کا باعث ہے اور اس کا انکار گمراہی ہے۔

احکام کے ثبوت کے اعتبار سے مشہور اور متواتر کا درجہ ایک ہی ہے، کیوں کہ اگر متواترِ احناف یا مشہورِ احناف سے کوئی ایسا حکم ثابت ہو رہا ہے جس کے تعلق سے قرآنِ کریم میں کوئی صراحت نہیں مل رہی ہے تو اب اِس حکم کا وہی درجہ ہوگا جو آیت کے مضمون کا ہوتا ہے۔

فقہائے احناف اور خبرِ واحد

خبرِ واحد وہ حدیث ہے جو کسی دور میں تواتر اور شہرت کی حد کو نہ پہنچے، خواہ راوی ہر دور میں ایک ہو یا چند ہوں، یہی معاملہ خواہ ہر طبقے میں ہو یا پھر ایک یا دو طبقات میں۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ جو حدیث محدثین کے نزدیک عزیز یا غریب ہو وہ عموماً اور جو مشہور ہو وہ کبھی کبھی خبرِ واحد کے تحت آئے گی۔

عندالاحناف اس کا حکم

لائقِ حجت ہوتی ہے، ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہے اور چند شرائط کے ساتھ واجب العمل قرار پاتی ہے۔

احادیث کی تعداد

بعض صحابۂ کرام علیہم الرضوان حدیث کی روایت کرنے میں مُکثِرین کی فہرست میں شمار کیے جاتے ہیں۔مُکثِر اسے کہتے ہیں جس سے ایک ہزار سے زیادہ حدیثیں مروی ہوں۔ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱	حضرت ابو ہریرہ	۵۳۷۴
۲	حضرت عبداللہ بن عمر	۲۶۳۰
۳	حضرت انس بن مالک	۲۲۸۶
۴	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ	۲۲۱۰
۵	حضرت عبداللہ بن عباس	۱۶۶۰
۶	حضرت جابر بن عبداللہ	۱۵۴۰
۷	حضرت ابوسعید خدری	۱۱۷۰

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو یاد ہیں۔اس طرح احادیث کی تعداد تیئیس ہزار (۲۳۰۰۰) سے زیادہ ہوگئی۔ پھر بعض محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی مکثرین میں شمار کیا ہے تو کم از کم دو ہزار احادیث کا مزید اضافہ ہوگا اور یہ تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہوجائے گی۔باقی صحابۂ کرام کی روایات ان کے علاوہ ہیں۔

پھر مختلف سندوں کے اعتبار سے احادیث کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے جیسا کہ

معلوم ہے کہ ایک ایک محدث کو سات سات اور آٹھ آٹھ لاکھ احادیث بھی یاد تھیں لیکن اصل میں صحیح احادیث کی تعداد کتنی ہے، اس کے بارے میں امام حاکم ابوعبداللہ فرماتے ہیں:

اَلْاَحَادِیْثُ الَّتِیْ هِیَ فِی الدَّرَجَةِ الْاُوْلٰی لَا تَبْلُغُ عَشَرَةَ اٰلافٍ.

ترجمہ: اعلیٰ درجے کی احادیث کی کل تعداد دس ہزار تک نہیں پہنچ پاتی۔

بلکہ بعض کے نزدیک تو اصل تعداد چار ہزار سے کچھ متجاوز ہے جیسا کہ علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح امیر یمانی لکھتے ہیں:

جُمْلَةُ الْاَحَادِیْثِ الْمُسْنَدَةِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ: یَعْنِی الصَّحِیْحَةَ بِلَا تَکَرُّرٍ اَرْبَعَةُ اٰلافٍ وَّ اَرْبَعُ مِائَةِ حَدِیْثٍ.

(توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، ناشر: دارالکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۶۴)

ترجمہ: جملہ احادیث مسندہ صحیحہ غیر مکررہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

تعدادِ حدیث کے تعلق سے علمائے محدثین کے مختلف اقوال ہیں، ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق الگ الگ اعتبار سے تعداد بیان کی لیکن حقیقت میں کوئی بھی پوری احادیث کے حصر و استیعاب کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے۔ اس کے لیے آپ اس کتاب کے حصۂ چہارم میں مذکور رضوی افادات کا مطالعہ فرمائیں۔

حدیث کی کتابوں کے اقسام

تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے حدیث کی کتابوں کی تیرہ قسمیں ہیں۔(۱) جامع (۲)سنن (۳) مسند (۴) معجم (۵) جز (۶) مفرد (۷) غریبہ (۸) مستدرک (۹) مستخرج (۱۰) رسالہ (۱۱) اربعین (۱۲) اَمالی (۱۳) اطراف۔

جامع: وہ کتاب ہے جس میں یہ آٹھ مضامین ہوں۔ عقائد، احکام، تفسیر، سیر و مغازی، آداب، مناقب، فتن، اشراطِ علاماتِ قیامت۔ جیسے صحیح بخاری، جس کا نام ''اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِیْحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ اُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ سُنَنِہٖ وَ اَیَّامِہٖ'' ہے اور سنن ترمذی جس کا نام ''اَلْجَامِعُ الْکَبِیْرُ'' ہے۔ صحیح مسلم میں اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے، اس لیے یہ جامع نہیں بلکہ سنن میں داخل ہے۔

سُنَن: وہ کتاب ہے جس میں فقہی احکام و مسائل کی ترتیب سے ابواب ہوں اور ان سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے سنن ابوداؤد، سُننِ نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہ۔

مُسْنَد: وہ کتابِ حدیث جس میں صحابۂ کرام کی مرویات علاحدہ علاحدہ جمع کی جائیں اور جس کی ترتیب صحابۂ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو یا جس میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق حدیثیں ذکر کی گئی ہوں۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

مُعْجَم: وہ کتابِ حدیث جس میں صحابہ وغیر صحابہ کی روایات حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق ہو نیز جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔

جُز: جس میں کسی ایک مسئلے سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے جزءِ قراءت وغیرہ۔

مفرد: جس میں صرف ایک شیخ کی روایت کردہ احادیث جمع ہوں۔

غریبہ: جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

مُسْتَدْرَک: وہ کتاب جس میں کسی خاص کتاب کے مصنف کی رعایت کردہ شرائط کے مطابق رہ جانے والی احادیث جمع کی گئی ہوں۔ جیسے امام ابوعبد اللہ حاکم کی المُستَدرَک علی الصّحیحین۔

مُسْتَخْرَج: وہ کتاب جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لیے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندیں ذکر کی گئی ہوں جیسے مُستَخرَج اَبی نُعیم۔

اَمالی: جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں۔ جیسے امالی امام محمد۔

اَطراف: وہ کتاب جس میں حدیث کا کوئی ایسا جز ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو۔ پھر اس حدیث کی تمام سندیں ذکر کردی جائیں یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں۔ جیسے اطراف الکُتُب الخمسة لابی العباس وغیرہ۔

حدیث کی مشہور کتابیں

محدثین نے سیکڑوں کتابیں لکھیں، ان میں سے کچھ تو اس وقت بالکل پائی ہی نہیں جاتی ہیں اور کچھ گمنامی کا شکار ہوگئی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں حدیث کی پچاس سے زائد کتابوں کی نشان دہی کی ہے، ان میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو حاصل ہوئی، انھیں صِحاحِ سِتّہ بھی کہتے ہیں۔

اب ہم حدیث کی چند مشہور کتابیں ان کے مصنفین کے نام کے ساتھ درج کر رہے ہیں، جن میں بیان کردہ روایتیں معتبر مانی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	صحیح بخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی
۲	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری
۳	سُنن ابی داوٗد	ابوداوٗد سلیمان بن اشعث ازدی سجستانی
۴	سُنن ترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی
۵	سننِ نَسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب خراسانی نسائی
۶	سنن ابن ماجہ	ابن ماجہ محمد بن یزید قزوینی
۷	موٗطا امام مالک	مالک بن انس بن مالک اصبحی مدنی
۸	صحیح ابن خزیمہ	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی نیشاپوری
۹	صحیح ابن حِبان	محمد بن حِبان بن احمد تمیمی
۱۰	سنن دارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن تمیمی سمرقندی
۱۱	سنن دارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بغدادی دارقطنی
۱۲	مسند ابوداوٗد طیالسی	ابوداوٗد سلیمان بن داوٗد طیالسی بصری
۱۳	مسند شافعی	ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی مکی
۱۴	مسند احمد بن حنبل	ابوعبداللہ احمد بن حنبل شیبانی
۱۵	مسند الحارث	ابومحمد حارث بن محمد بغدادی
۱۶	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو عتکی المعروف بالبزار
۱۷	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی

۱۸	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی
۱۹	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی
۲۰	معجم ابن عساکر	ابوالقاسم علی بن حسن المعروف با بن عساکر
۲۱	جزءُ احمد بن عصام	ابو یحییٰ احمد بن عصام انصاری اصبہانی
۲۲	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری
۲۳	المستدرک علی الصحیحین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ ضبی نیشاپوری
۲۴	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی
۲۵	اَمالی الاصبہانی	ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی
۲۶	مُصَنَّف ابن ابی شیبۃ	عبداللہ بن محمد خواستی عبسی (ابن ابی شیبۃ)
۲۷	مصنف عبدالرزاق الصنعانی	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام یمانی صنعانی
۲۸	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ ازدی طحاوی
۲۹	شُعَبُ الایمان	احمد بن حسین خراسانی بیہقی
۳۰	شرح السنۃ	ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں بیان کردہ روایتیں معتبر ہوتی ہیں۔

چند مشہور کتابوں کا تعارف

ویسے تو احادیث کی بہت سی کتابیں ہیں، جن میں سے چند کا ذکر اوپر ہوا مگر یہاں صرف ان چند مشہور کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے جن کا حوالہ عام کتابوں میں دیا جاتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری

اس کا اصل نام "اَلْجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِیْحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ اُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ سُنَنِہٖ وَ اَیَّامِہٖ" ہے۔اسے اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ (کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب) کہتے ہیں۔

اس کے مؤلف کا پورا نام محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری الجعفی ہے، جو امامِ بخاری کے نام سے مشہور ہیں۔آپ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے ایک روایت کے مطابق ۷۲۷۵ حدیثیں جمع کیں، جن میں مکرر حدیثیں الگ کرنے پر حدیثوں کی تعداد تقریباً ۴۰۰۰ رہ جاتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ۹۰۸۲ حدیثیں جمع کیں جن میں سے مکررات نکالنے کے بعد احادیث کی تعداد تقریباً ۲۶۲۳ رہ جاتی ہے۔

آپ نے اس کتاب میں علمی و اعتقادی احکام جمع کیے اور کتاب کو ۹۷/ ابواب میں منقسم کیا۔کتاب کی ابتدا "بَابُ بَدْءِ الْوَحْیِ" سے ہوئی اور اختتام "کِتَابُ التَّوْحِیْدِ" پر ہوئی۔یہ اہم کام حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سال کی مدت میں مکمل فرمایا۔

(۲) صحیح مسلم

صحیح بخاری کے بعد سب سے عظیم درجہ صحیح مسلم کو حاصل ہے، بعض محققین نے تو صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔اس کا اصل نام "اَلْمُسْنَدُ الصَّحِیْحُ الْمُخْتَصَرُ بِنَقْلِ الْعَدْلِ عَنِ الْعَدْلِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ" ہے مگر یہ "صحیح مسلم" کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔اس کے مؤلف کا نام مسلم بن حجاج قشیری نیساپوری ہے۔

آپ نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی تین لاکھ احادیث میں سے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰)

احادیث اس کتاب میں جمع کیں۔ ''کتاب الایمان'' سے اس کی ابتدا ہوئی اور اختتام ''کتاب التفسیر'' پر ہوا۔

(۳) سنن ابو داؤد

حدیث کی یہ کتاب بھی غیر معمولی حیثیت کی حامل ہے۔ اس کے مؤلف کا نام ابوداؤد سلیمان بن اشعث اَزدی سجستانی ہے۔ آپ نے پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کر کے ۴۸۰۰ احادیث اس کتاب میں جمع فرمائیں۔

کتاب میں بیان کردہ روایات کی کیفیت خود مؤلف کی زبانی ملاحظہ کریں:

''آپ لوگوں نے مجھ سے احادیثِ سنن کے بارے میں سوال کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس میں درج کردہ احادیث کیا میرے نزدیک صحیح ترین احادیث ہیں؟ تو سن لیجیے: یہ احادیث ایسی ہی ہیں۔ البتہ وہ احادیث جو دو صحیح طریقوں سے مروی ہوں اور ایک کا راوی اسناد میں مقدس ہو کہ اس کی سند عالی اور واسطے کم ہوں اور دوسرے کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو، ایسی صورت میں اول الذکر طریقے کو لکھ دیتا ہوں حالاں کہ ایسی احادیث کی تعداد بہ مشکل دس ہوگی۔''

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میرا مسلک یہ ہے کہ جب کوئی مسند روایت، مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو یا مسند روایت نہ پائی جائے تو ایسی صورت میں مرسل روایت سے استدلال درست ہے، اگر چہ وہ متصل کی طرح قوی نہیں ہوتی۔ میں نے اپنی سنن میں متروک راوی کی روایت نہیں لی ہے اور اگر کوئی منکر حدیث آئی ہے تو میں نے اسے بیان کر دیا ہے، اس میں کوئی علت ہو تو

اسے بھی بیان کر دیا ہے۔ جس حدیث کے بعد میں نے کچھ نہیں لکھا وہ صالح للعمل ہوتی ہے۔ میں نے اس کتاب میں اکثر احادیثِ مشہورہ جمع کی ہیں۔ میں نے کتابِ سنن میں صرف احکام ہی جمع کیے ہیں، زہد اور فضائل اعمال سے متعلق احادیث نہیں بیان کی ہیں۔''

(۴) سنن ترمذی

اس کتاب کا اصل نام ''الجامع الکبیر'' ہے مگر یہ ''سننِ ترمذی'' اور ''جامعِ ترمذی'' کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔اس کے مؤلف ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ہیں۔

اس میں بیان کردہ کل احادیث ۳۹۵۶ ہیں، ان میں سے توابع اور شواہد الگ کرنے پر ۱۳۸۵/ حدیثیں رہ جاتی ہیں۔

جامع ترمذی درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے:

☆ حدیث ذکر کر کے ائمۂ مذاہب کے اقوال اور ان کا اختلاف بیان کرتے ہیں۔

☆ اس بات کا التزام ہے کہ وہ حدیث بیان کی جائے جو کسی امام کا مذہب ہے۔

☆ جب حدیث چند صحابہ سے مروی ہو تو مشہور راوی سے روایت کرتے ہیں اس کے بعد ''وَ فِی الْبَابِ عَنْ فُلانٍ'' سے باقی کے نام ذکر کرتے ہیں۔

☆ حدیث کے متن یا سند میں اضطراب ہو تو اسے بیان کر دیتے ہیں۔

☆ حدیثِ منقطع کے انقطاع اور بعض اوقات انقطاع کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اسی طرح حدیثِ شاذ اور منکر کی صراحت کرتے ہوئے بعض اوقات شاذ یا منکر ہونے کی وجہ بھی بیان کر دیتے ہیں۔

☆ حدیث صحیح اگر دوسری سند سے مُدرَج ہو تو اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔

(۵) سنن نَسائی

اس کا اصل نام ''اَلْمُجْتَبٰی مِنَ السُّنَنِ''اور''اَلسُّنَنُ الصُّغْرٰی'' ہے مگر یہ سنن نسائی کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔اس کے مؤلف ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب خراسانی نسائی ہیں۔

پہلے آپ نے حدیث کی ایک کتاب ''السنن الکبریٰ'' نام سے تالیف فرمائی، جب آپ نے یہ کتاب امیر رَملہ کے سامنے پیش کی تو امیر نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ کی اس کتاب میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں۔امیر نے آپ سے گذارش کی کہ آپ میرے لیے ان احادیث کو منتخب فرما دیں جو تمام تر صحیح ہوں۔امیر کی فرمائش پر آپ نے ''سننِ کُبریٰ'' میں سے صحیح احادیث کا انتخاب فرمایا اور اس کا نام ''اَلْمُجْتَبٰی مِنَ السُّنَنِ'' رکھا۔اس میں بیان کردہ روایات ۵۷۰۸ ہیں جو آپ نے ''سننِ کبریٰ'' کی ۱۰۳۹۰ حدیثوں میں سے منتخب کی ہیں۔

(۶) سنن ابن ماجہ

اس کے مؤلف ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی ہیں، آپ کے والد یزید کا عرفی نام ماجہ تھا، اس لیے آپ ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ نے جب یہ کتاب لکھ کر حافظ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے بے ساختہ ارشاد فرمایا:

یہ کتاب اگر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع و مصنفات بے کار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔چناں چہ حافظ ابوزرعہ کی یہ بات حرف بہ حرف پوری ہوئی اور سنن ابن ماجہ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات ماند پڑ گئیں۔

اس کتاب کی اکثر روایتیں وہ ہیں جو مذکورہ پانچوں کتابوں میں نہیں۔اس کی کوئی

حدیث مکرر نہیں۔اس میں زیادہ تر احکام ومسائل سے متعلق احادیث بیان کی گئی ہیں۔

پانچویں صدی کے آخر تک صحیح احادیث کی بنیادی کتابیں صرف پانچ تھیں پھر حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ) نے اپنی کتاب شروط الائمۃ الستۃ میں ابن ماجہ کی شروط سے بھی بحث کی اور اسے بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کر کے صحاح کی اصل چھ کتابوں کو قرار دیا۔

اسی دور میں محدث زرین بن معاویہ مالکی (م ۵۵۲ھ) نے اپنی کتاب ''التجرید للصحاح والسنن''میں سنن ابن ماجہ کی جگہ مؤطا امام مالک کو صحاحِ ستہ میں شمار کر دیا۔اس کے بعد سے یہ اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب مؤطا ہے یا سنن ابن ماجہ مگر زیادہ تر محققین کے نزدیک سنن ابن ماجہ ہی چھٹی کتاب ہے۔

(۷) مؤطا امام مالک

اس کے مصنف حضرت مالک بن انس بن مالک بن عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔

یہ فقہی ترتیب کے ساتھ مرتب ہو کر شائع ہونے والی احادیث کی پہلی کتاب ہے۔

حضرت علامہ ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: موطا نقشِ اول اور بنیادی کتاب ہے، بخاری کی حیثیت تو اس باب میں نقشِ ثانی کی ہے اور انھی دونوں کتابوں پر مسلم اور ترمذی جیسے بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے۔

جمہور محدثین نے مؤطا امام مالک کو کتب حدیث کے طبقۂ اولیٰ میں شمار کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مختصر رسالے ''مَا یَجِبُ حِفْظُہٗ لِلنَّاظِرِ''میں کتب حدیث کو پانچ طبقات میں تقسیم فرمایا ہے اور طبقۂ اولیٰ میں صحیحین اور مؤطا وغیرہ کو شمار کیا ہے۔

علامہ نووی شرح مسلم کے مقدمے میں اپنے استاذ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک کتاب مجھے ایسی ملی جوان تمام کتابوں (صحیحین، ترمذی وغیرہ) سے بہتر ہے، اگر چہ یہ کتابیں بھی اچھی ہیں اور وہ مؤطا ہے جس کے مصنف کا نام مالک بن انس ہے، جو تمام محدثین کے شیخ الشیوخ ہیں۔

مؤطا امام مالک میں بیان کردہ روایات کی تعداد مسند ومرفوع چھ سو (۶۰۰)، مرسل دوسو بائیس (۲۲۲)، موقوف چھ سو تیرہ (۶۱۳) اور تابعین کے اقوال وفتاویٰ دوسو پچاسی (۲۸۵) ہیں۔

امام مالک کی مؤطا کو بہت سے فقہا ومحدثین نے روایت کیا ہے۔انھیں میں سے امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں جن کی مرویات کا مجموعہ ''مؤطا امام محمد'' کے نام سے مشہور ہے اور فقہ حنفی کی درس گاہوں میں یہ مجموعہ پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔

(۸) المعجم الکبیر للطَبرانی

اس کے مصنف حضرت ابوالقاسم سلیمان بن ایوب طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔آپ ۲۶۰ھ/ہجری میں شہر طبریہ میں پیدا ہوئے۔اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو طبرانی کہتے ہیں۔آپ نے ۲۷۳ھ/ہجری میں ۱۳/سال کی عمر ہی سے علم حدیث کا حصول شروع فرمایا اور تیس سال تک علمِ حدیث کی طلب میں مختلف شہروں اور ممالک کا دورہ فرماتے رہے۔امام ذہبی نے آپ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد ۶۷/بتائی ہے۔آپ پوری عمر خدمتِ دین کرتے رہے اور سو سال دس مہینے کی عمر میں ۳۶۰ھ/ہجری میں اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔علمِ حدیث میں آپ کے تین معاجم بہت مشہور اور مقبولِ عام وخاص ہیں (۱) المعجم الصغیر (۲) المعجم الاوسط (۳) المعجم الکبیر۔آپ کی ان تینوں کتابوں سے اور خاص کر المعجم الاوسط سے اہل علم نے پچھلے زمانے میں بھی بھر پور استفادہ کیا، اب بھی کررہے ہیں اوران

شاءاللہ رہتی دنیا تک کرتے رہیں گے۔

(۹) الادب المفرد

اس کے مؤلف کا پورا نام محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری الجعفی ہے، جو امام بخاری کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی مشہور زمانہ تالیف ''صحیح البخاری'' نام سے کتب احادیث میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے اور اکثر علما کے نزدیک یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ آپ نے الادب المفرد میں ان آداب کا ذکر فرمایا ہے جن کا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے یا آپ نے اسے پسند فرمایا ہے۔ ان میں سے بعض واجب کی منزل میں ہیں اور بعض مستحب ومندوب کی منزل میں اور بعض وہ امور ہیں جن کے تعلق سے آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے یا سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے اپنی اس تالیف کو مختلف کتابوں میں اور ہر کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم فرمایا ہے اور ہر باب متعدد احادیث پر مشتمل ہے۔

(۱۰) المُستَدرَک علی الصحیحین للحاکم

اس کتاب کے مصنف ابوعبداللہ حاکم محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نُعیم بن حکم ضبی نیشاپوری ہیں، جو کہ ابن البیع کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت ۳۲۱ رہجری میں ہوئی اور وفات ۴۰۵ رہجری میں، اس طرح آپ نے ۸۴ رسال کی عمر پائی۔ یہ عمر آپ نے تحصیلِ علم اور خدمتِ حدیث میں صرف کی۔

آپ کے زمانے میں مبتدعین نے یہ افواہ اڑائی کہ صحیح احادیث صرف صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ہیں، ان کے علاوہ جتنی احادیث ہیں صحیح نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سے بہت سے دینی معاملات دلائل سے عاری مانے جارہے تھے، جسے ان لوگوں نے دین میں طعن وتشنیع کا ذریعہ بنالیا۔ ایسے عالم میں آپ کے دل میں دینی حمیت بیدار ہوئی اور آپ نے اپنے

کاندھے پر شیخین میں سے ہر ایک کی اسانید یا دونوں میں سے کسی ایک کی اسانید کے مشابہ اسانید سے یا ایسی اسانید سے جو کہ ان کے مشابہ نہ ہوں مگر فی نفسہٖ قوی ہوں اور ہر قسم کی علت سے پاک ہوں ان سے احادیث روایت کرنے کی ذمے داری اٹھائی۔ آپ نے اس سلسلے میں بہت کوشش کی اور ۸۹۵۶/احادیث جمع کی پھر انھیں مُبَوَّب و مُرَتَّب کر کے کتاب کی شکل دے دی۔ اس کتاب کی اسانید اگر چہ قوت میں شیخین کی اسانید کے مقابل نہیں ہیں لیکن پھر بھی اس کی مرویات قابل قبول ہیں۔

(۱۱) مُصنَّف ابن ابی شَیبۃ

اس کتاب کے مصنف کا نام ابوبکر بن ابی شیبہ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خَوَاستی عَبَسی ہے۔ آپ ۱۵۹/ہجری میں پیدا ہوئے، تا عمر خدمتِ حدیث کی، یہاں تک کہ ائمۂ حدیث نے آپ کو ثقہ کا درجہ دیا اور خود امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ وغیرہم اجلۂ محدثین نے آپ سے احادیث روایت کی ہے۔ آپ کی یہ تصنیف' پہلی کتاب ہے جو اسی ترتیب پر اب تک باقی ہے جس پر لکھی گئی تھی۔ آپ نے اس میں احادیث نبویہ، اقوال صحابہ اور فتاوائے تابعین کو فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع فرمایا۔

چوں کہ یہ کتاب احادیث کی ایک بڑی تعداد کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے مصنف خیر القرون سے زیادہ قریب ہیں اور علم حدیث میں اونچا مقام رکھتے ہیں، اس لیے یہ کتاب' کتبِ احادیث کے لیے اصل اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱۲) شرح معانی الآثار

اس کے مصنف کا پورا نام ابوجعفر احمد بن سلامہ بن عبدالملک بن سلمہ ازدی ہے، جو کہ امام طحاوی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے سن ولادت میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض ائمہ نے ۲۳۸ھ کہا ہے، بعض نے ۲۳۹ھ، بعض نے ۲۳۷ھ اور بعض نے ۲۲۹ھ۔

تاریخِ ولادت کا بھی تیقن نہیں ہے، البتہ بعضِ ائمہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ربیع الاول کی دس تاریخ، شبِ یکشنبہ میں ولادت ہوئی ہے۔

آپ کی کتاب ''شرح معانی الآثار'' آپ کی پہلی تصنیف ہے، جو کہ پوری دنیا میں بہت مشہور اور متداول ہے۔ اس کتاب میں آپ نے خصوصی طور پر اختلافی مسائل پر دلائل کا محاکمہ فرمایا ہے۔ ائمۂ کرام نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے، ان احادیث کو آپ نے اپنی سند سے اس کتاب میں جمع فرمایا ہے پھر اسناد ومتن، روایات ونظر کی روشنی میں ان پر تنقید پیش کرتے ہوئے مذہبِ حنفی کو ثابت فرمایا ہے۔

(۱۳) مشکوٰۃ المصابیح

علامہ محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد فرا بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''مصابیح السنۃ'' نامی کتاب تصنیف فرمائی تھی، جس میں ۴۴۸۴/احادیث موجود ہیں۔ اس کے ہر باب میں آپ نے دو فصلیں رکھی ہیں، پہلی فصل میں اس باب سے متعلق احادیثِ صِحاح نقل فرمائیں اور دوسری فصل میں اسی باب سے متعلق احادیثِ حِسان نقل کیں۔ (واضح ہو کہ صاحبِ مصابیح السنۃ صحاح بول کر صحیحین کی روایتیں مراد لیتے ہیں اور حِسان بول کر بقیہ چاروں صحیح کتابوں میں بیان کردہ حدیثیں مراد لیتے ہیں۔) اس میں صحیح احادیث کی تعداد ۲۴۳۴ ہے اور حسن احادیث کی تعداد ۲۰۵۰ ہے۔ پھر علامہ محمد بن عبداللہ خطیب عمری ولی الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تقریباً ہر باب میں ایک فصل کا اضافہ فرمایا، جس میں صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث سے اس باب سے متعلق احادیث نقل فرمائی ہیں۔ اس کے علاوہ اس فصل میں آپ نے باب کی مناسبت سے صحابہ اور تابعین کے اقوال وافعال بھی نقل کیے ہیں۔

مصابیح السنۃ میں صرف احادیث مذکور تھیں، راوی کا نام، مخرجِ حدیث، صحت وضعف اور حُسن وغیرہ کا تذکرہ نہیں تھا، صاحبِ مشکوٰۃ نے یہ سارے امور بیان کیے اور یہ بھی

بتا دیا کہ وہ حدیث کس کتاب کی ہے، چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح میں تیرہ اصحاب حدیث کا خصوصی تذکرہ ہے۔ صحاح ستہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، دارمی، دارقطنی، بیہقی اور ابوالحسن زرین بن معاویہ۔ جہاں جہاں صاحب مصابیح السنۃ نے کسی حدیث کو غریب یا ضعیف یا منکر قرار دیا ہے، صاحب مشکوٰۃ نے ان کا سبب بھی ظاہر کر دیا۔

مصابیح السنۃ میں کل مرویات ۴۴۸۴ ہیں، اس پر صاحب مشکوٰۃ نے ۱۵۱۱/ احادیث کا اضافہ فرمایا ہے، لہٰذا مشکوٰۃ المصابیح کی کل احادیث ۵۹۹۵/ ہوئیں۔ اس میں ۲۹/ کتابیں، ۳۲۷/ ابواب اور ۱۰۳۸/ فصلیں ہیں۔

صحاحِ ستّہ کا مطلب

اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مذکورہ کتابوں میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کو صحاحِ ستہ صرف عُرف کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ بعض محدثین نے سُننِ ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو صحاحِ ستہ میں داخل مانا ہے۔ بعض محدثین نے فرمایا کہ زیادہ لائق اور مناسب یہ ہے کہ ''سننِ دارمی'' کو صحاحِ ستہ میں داخل کیا جائے، اس لیے کہ اس کے راویوں میں ضعیف کم ہیں نیز اس میں مُنکَر اور شاذ حدیثیں بھی بہت کم ہیں، اس کی سند بھی عالی ہے اور اس کی ثُلاثیات بخاری سے زائد ہیں۔

صحاحِ ستہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تمام حدیثیں صحیح ہیں بلکہ ان میں بھی ضعیف روایتیں ہیں۔ ان کو صحاح اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں بہ نسبت دیگر کتابوں کے ضعیف احادیث کم ہیں اور ان کی اکثر حدیثیں صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ بھی حدیث کی جو کتابیں ہیں ان میں بھی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

اصولِ حدیث کی چند کتابیں

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے مصنفین
۱	التقریب و التیسیر لمعرفة سنن البشیر و النذیر	ابو زکریا محی الدین یحیٰی بن شرف نَوَوی
۲	النُّکَتُ علیٰ مُقدمة ابن صلاح	محمد بن عبد اللّٰہ الزرکشی
۳	المختصر فی اصول الحدیث	علی بن محمد الجرجانی
۴	النُّکَت علیٰ کتاب ابن صلاح	احمد بن علی (ابن حجر العسقلانی)
۵	نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر	احمد بن علی العسقلانی
۶	نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر	احمد بن علی العسقلانی
۷	فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی
۸	تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی	عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی
۹	تیسیر مصطلح الحدیث	محمود بن احمد بن محمد الطحان النعیمی
۱۰	معرفة انواع علوم الحدیث	عثمان بن عبدالرحمٰن (ابن الصلاح

مراتبِ اربابِ حدیث

(۱) **طالب** : حدیث کے متعلم کو طالب کہتے ہیں۔

(۲) **شیخ** : حدیث کے معلم کو محدث یا شیخ کہتے ہیں۔

(۳) **حافظ** : جس محدث کو ایک لاکھ احادیث متن وسند کے ساتھ اور ان کے راویوں کے احوال کے ساتھ یاد ہوں تو انھیں حافظ کہتے ہیں۔

(۴) **حجت** : جس محدث کو تین لاکھ احادیث متن وسند سے اور ان کے راویوں کے احوال کے ساتھ یاد ہوں تو انھیں حجت کہتے ہیں۔

(۵) **حاکم** : جس محدث کو تمام حدیثیں متن وسند کے ساتھ اور ان کے راویوں کے احوال کے ساتھ یاد ہوں تو انھیں حاکم کہتے ہیں۔

دَور یا طبقات سے مراد

قرونِ ثلاثہ کا اطلاق صحابہ، تابعین اور تبعِ تابعین کے ادوار پر ہوتا ہے۔ جو لوگ تبعِ تابعین کے معاصر تو رہے لیکن کسی تابعی سے ملاقات نہیں کی ان کا شمار صالحین میں ہوتا ہے۔ یہ کل چار طبقے ہوئے، صحابہ، تابعین، تبعِ تابعین اور صالحین۔ حدیث کی اصطلاح میں جب دور یا اَدوار یا طبقات کہا جاتا ہے تو اس سے یہی چار طبقے مراد ہوتے ہیں، جنھیں علامہ ابنِ حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے بارہ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔

راویوں کے طبقات

(۱) پہلا طبقہ: صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ: کِبارِ تابعین کا ہے، جنھوں نے کِبارِ صحابۂ کرام یعنی سیدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہوش سنبھالا ہو اور کئی صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان سے حدیثیں روایت کی ہوں۔ جیسے حضرتِ سعید بن مُسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۳) تیسرا طبقہ: متوسط تابعین کا ہے جنھوں نے کِبارِ صحابۂ کرام کو تو نہ دیکھا لیکن متوسط صحابۂ کرام کو دیکھا ہے۔ ان کا زمانہ سن ۹۰ ھ یا ۱۰۰ ھ کے آس پاس کا ہے۔ جیسے حضرتِ حسنِ بصری، حضرتِ محمد بن سیرین وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۴) چوتھا طبقہ: ان تابعین کا ہے جن کا زمانہ کِبارِ تابعین سے بالکل ملا ہوا ہے اور انھوں نے بہت سے کبارِ تابعین سے روایت کی ہے۔ جیسے حضرتِ امام زُہری اور حضرتِ امامِ قتادہ وغیرہما۔

(۵) پانچواں طبقہ: اُن صغارِتابعین کا ہے جو ایک یا دو اصحابِ رسول کی زیارت سے شرفیاب ہوئے لیکن انھوں نے کسی سے سماعتِ حدیث نہیں کی ہے۔ جیسے حضرتِ اَعمش اور حضرتِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۶) چھٹا طبقہ: اُن تابعین کا ہے جنھوں نے کچھ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا زمانہ تو پایا ہے لیکن انھیں کسی سے ملاقات حاصل نہیں ہے۔ جیسے حضرتِ ابنِ جُریج وغیرہ۔

(۷) ساتواں طبقہ: کِبارِتبعِ تابعین کا ہے جنھوں نے کِبارِتابعین کو دیکھا ہے۔ جیسے حضرتِ امامِ مالک، حضرتِ سفیان ثوری وغیرہما۔

(۸) آٹھواں طبقہ: متوسط تبعِ تابعین کا ہے۔ جیسے حضرتِ سفیان بن عیینہ اور حضرتِ ابن عُلَیَّہ وغیرہ۔

(۹) نواں طبقہ: صِغارِتبعِ تابعین کا ہے جنھوں نے صِغارِتابعین کو دیکھا ہے۔ جیسے حضرتِ یزید بن ہارون، حضرتِ امامِ شافعی، حضرتِ ابوداوٗد طیالسی، حضرتِ عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۱۰) دسواں طبقہ: اُن محدّثین کا ہے جنھوں نے کبارِتبعِ تابعین سے سماعتِ حدیث کی ہے۔ جیسے حضرتِ امامِ احمد بن حنبل وغیرہ۔

(۱۱) گیارہواں طبقہ: ان محدثین کا ہے جنھوں نے متوسط تبعِ تابعین سے سماعتِ حدیث کی ہے۔ جیسے حضرتِ امامِ ذُہلی اور حضرتِ امامِ بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ۔

(۱۲) بارہواں طبقہ: ان محدثین کا ہے جنھوں نے صغارِتبعِ تابعین سے سماعتِ حدیث کی ہے۔ جیسے حضرتِ امامِ ترمذی وغیرہ۔ (ملخصًا از تقریب التہذیب)

مراتبِ الفاظِ جرح وتعدیل

امام ابن ابی حاتم رازی اپنی کتاب ''الجرح والتعدیل'' کے مقدمے میں جرح وتعدیل کے چار درجے بتائے ہیں اوران میں سے ہر ایک کا حکم بیان کیا ہے۔ پھر بعد کے علما نے دو اور درجوں کا اس میں اضافہ کیا ہے۔ اس اعتبار سے جرح وتعدیل کے کل چھ درجے ہوگئے:

مراتبِ تعدیل اوران کے الفاظ

تعدیل کے مندرجہ ذیل الفاظ بالترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہیں:

(۱) **جو ثقاہت میں مبالغے پر دلالت کرے یا اسمِ تفضیل کے وزن پر آئے۔ جیسے:**

☆ فُلَانٌ اِلَيْهِ الْمُنْتَهٰى فِي التَّثَبُّتِ (فلاں ثقہ ہونے کے انتہائی درجے پر ہے۔)

☆ فُلَانٌ اَثْبَتُ النَّاسِ (فلاں شخص لوگوں میں سب سے زیادہ ثابت ہے۔)

☆ لَا اَحَدٌ اَثْبَتَ عَنْهُ (فلاں سے زیادہ کوئی شخص قابلِ اعتماد نہیں۔)

(۲) **وہ الفاظ جو ثقاہت کو تاکید کے ساتھ بیان کرنے کے لیے مکرر ہوں۔ جیسے:**

☆ ثِقَةٌ ثِقَةٌ

☆ ثِقَةٌ ثَبَتٌ

(۳) **وہ الفاظ جو بغیر تاکید کے ثقاہت کو بتائیں۔ جیسے:**

☆ ثِقَةٌ

☆ حُجَّةٌ

(۴) **وہ الفاظ جو صرف عدالت کو بتائیں اور ضبط کو نہ بتائیں۔ جیسے:**

☆ صَدُوْقٌ

☆ مَحَلُّهُ الصِّدْقُ

☆ لَا بَأْسَ بِهٖ

نوٹ: عام محدثین جب لَا بَأسَ بِہٖ کہیں تو اس سے صرف عدالت کا ثبوت ہوگا، ضبط کا ثبوت نہیں ہوگا لیکن جب حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی راوی کے بارے میں لَا بَأسَ بِہٖ کہیں تو ان کے نزدیک وہ ثقہ ہوگا یعنی عدالت وضبط دونوں ثابت ہوں گے۔

(۵) وہ الفاظ جو جرح وتعدیل میں سے کسی پر بھی دلالت نہ کریں۔ جیسے:

☆ فُلَانٌ شَیْخٌ (فلاں بزرگ ہے۔)

☆ رَوٰی عَنْهُ النَّاسُ (ان سے لوگوں نے روایت لی ہے۔)

(۶) وہ الفاظ جو جرح سے قریب ہوں۔ جیسے:

☆ فُلَانٌ صَالِحُ الْحَدِیْثِ (فلاں شخص حدیث میں صالح ہے۔)

☆ فُلَانٌ یُکْتَبُ حَدِیْثُهٗ (فلاں کی حدیث لکھی جاتی ہے۔)

الفاظِ تعدیل کے مراتب کا حکم

(۱) شروع کے تین مرتبے والوں کی حدیث حجت ہوگی اگرچہ جو پہلے مرتبے پر ہو وہ دوسرے والے سے اور جو دوسرے مرتبے پر ہو وہ تیسرے والے سے زیادہ قوی ہے۔

(۲) چوتھے اور پانچویں درجے والوں کی حدیث حجت نہیں ہے لیکن ان کی حدیث لکھی جائے گی اور ان کی حدیث کی جانچ کی جائے گی، اس طور پر کہ ان کی حدیثوں کو ثقہ کی حدیثوں سے ملایا جائے گا، اگر ان کے موافق ہوئی تو ان سے استدلال کیا جائے گا ورنہ نہیں، اگرچہ چوتھے کا درجہ پانچویں سے بلند ہے۔

(۳) چھٹے درجے والے کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا لیکن اس کی حدیث صرف اعتبار کے لیے لکھی جائے گی، چوتھے اور پانچویں درجے والوں کی طرح اِس کے راویوں کو جانچ کر لائقِ استدلال نہیں بنایا جائے گا۔

مراتبِ جرح اوران کے الفاظ

جرح کے مندرجہ ذیل الفاظ بالترتیب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہیں:

(۱) وہ الفاظ ہیں جو نرمی اور لاپروائی پر دلالت کریں۔ جیسے:

☆ فُلَانٌ لَّيِّنُ الْحَدِيْثِ (فلاں حدیث کے معاملے میں نرمی برتنے والا ہے۔)

☆ فِيْهِ مَقَالٌ (اس کے بارے میں کلام ہے۔)

(۲) وہ الفاظ جو نا قابلِ احتجاج اوراس جیسا معنیٰ بتائے۔ جیسے:

☆ فُلَانٌ لَّا يُحْتَجُّ بِهٖ (فلاں کی بات سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔)

☆ ضَعِيْفٌ (وہ ضعیف ہے۔)

☆ لَهٗ مَنَاكِيْرُ (اس کی حدیثیں منکر ہیں۔)

(۳) وہ الفاظ ہیں جن سے اس راوی کی حدیث کے نہ لکھنے کی صراحت ہو۔ جیسے:

☆ لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ (اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔)

☆ لَا تَحِلُّ الرِّوَايَةُ عَنْهُ (اس سے روایت کرنا حلال نہیں۔)

☆ ضَعِيْفٌ جِدًّا (بہت زیادہ ضعیف ہے۔)

☆ رُدَّ حَدِيْثُهٗ (اس کی حدیث مردود ہے۔)

☆ طَرَحُوْا حَدِيْثَهٗ (لوگوں نے اس کی حدیث کو چھوڑ دیا۔)

(۴) وہ الفاظ جو راوی کے مُتّہم بالکِذب ہونے کو بتائیں۔ جیسے:

☆ فُلَانٌ مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ (فلاں متہم بالکذب ہے۔)

☆ فُلَانٌ مُتَّهَمٌ بِالْوَضعِ (فلاں متہم بالوضع ہے۔)

☆ یَسْرِقُ الْحَدِیْثَ (حدیث میں خیانت کرتا ہے۔)

☆ سَاقِطٌ (ساقط ہے۔)

☆ مَتْرُوْکٌ (متروک ہے۔)

☆ لَیْسَ بِثِقَةٍ (قابلِ اعتماد نہیں ہے۔)

(۵) وہ الفاظ جو راوی کے جھوٹے ہونے پر دلالت کریں۔ جیسے:

☆ کَذَّابٌ (بہت جھوٹا ہے۔)

☆ دَجَّالٌ (دجال ہے۔)

☆ وَضَّاعٌ (گھڑنے والا ہے۔)

☆ یَکْذِبُ (جھوٹ بولتا ہے۔)

☆ یَضَعُ (گھڑتا ہے۔)

(۶) وہ الفاظ جو راوی کے بہت بڑے جھوٹے ہونے پر دلالت کرے۔ جیسے:

☆ فُلَانٌ اَکْذَبُ النَّاسِ (فلاں شخص لوگوں میں سب سے بڑا جھوٹا ہے۔)

☆ اِلَیْهِ الْمُنْتَهٰی فِی الْکِذْبِ (جھوٹ اس پر ختم ہوجاتا ہے۔)

☆ هُوَ رُکْنُ الْکِذْبِ (وہ جھوٹ کا ایک حصہ ہے۔)

الفاظِ جرح کے مراتب کا حکم

پہلے اور دوسرے درجے والوں کی حدیث صرف اعتبار کے لیے لکھی جائے گی۔ احکام میں اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ اخیر کے چار درجے والوں کی حدیث نہ لکھی جائے گی، نہ اس کا اعتبار ہوگا اور نہ ہی اس سے استدلال ہوگا۔

جرح وتعدیل کے مشہور ائمہ

وہ حضرات جنھوں نے جرح وتعدیل میں اپنا مقام پیدا کیا ہے، ان کی ایک لمبی فہرست ہے۔ اگر جرح وتعدیل میں ان کا اسلوب بھی بیان کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی، اس لیے مختصر انداز میں افادے کے لیے کچھ نام ذکر کیے جارہے ہیں۔

(۱) حضرت سفیان ثوری (۲) حضرت امام مالک
(۳) حضرت شُعبہ بن حجاج (۴) حضرت لَیث بن سعد
(۶) حضرت سفیان بن عُیَینہ (۷) حضرت عبداللہ بن مبارک
(۸) حضرت یحییٰ بن سعید قطّان (۹) حضرت یحییٰ بن سعید انصاری
(۱۰) حضرت وَکیع بن جرّاح (۱۱) حضرت امام شافعی
(۱۲) حضرت امام احمد بن حنبل (۱۳) حضرت یحییٰ بن معین
(۱۴) حضرت علی بن مُدینی (۱۵) حضرت امام بخاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

یہ جرح وتعدیل کے بڑے بڑے ائمہ ہیں جو دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی کے اوائل کے ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں بڑے بڑے محدثین ہیں جو جرح وتعدیل کے فن میں اونچا مقام رکھتے ہیں۔ مثلاً

(۱) حضرت امام دارمی (۲) حضرت ابوزُرعہ رازی
(۳) حضرت ابوحاتم رازی (۴) حضرت امام مسلم
(۵) حضرت امام ابوداؤد (۶) حضرت امام دارقطنی

یہ وہ حضرات ہیں جن کا جرح وتعدیل کے باب میں متفقہ فیصلہ حتمی فیصلہ سمجھا جاتا

ہے۔ ہاں اگر کسی راوی کی جرح وتعدیل میں ان حضرات کا اختلاف ہو تو اس کو دور کرنے کے تفصیلی قواعد ہیں، جو جرح وتعدیل کی تفصیلات میں آتے ہیں، جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔

ائمۂ جرح وتعدیل کو تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) مُتشدِّدِین۔ ان میں حضرتِ ابن جوزی، حضرتِ ابن ابی حاتم رازی ہیں۔

(۲) مُتساہلین۔ ان میں حضرتِ حاکم، حضرتِ امام بیہقی اور امام ترمذی وغیرہ ہیں۔

(۳) مُعتدِلین۔ ان میں حضرتِ امام احمد، حضرتِ امام بخاری اور حضرتِ امام ابوزرعہ وغیرہ شامل ہیں۔

جرح وتعدیل میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، ان میں سے کچھ صرف ثقہ راویوں کے سلسلے میں ہیں، کچھ میں صرف ضعیف راویوں کا بیان ہے۔ امام بخاری کی ''کتاب الضعفاء'' ہے، امام نسائی کی ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' ہے۔ امام ابن عدی کی کتاب ''الکامل فی الضعفاء'' ہے۔ ان کتابوں کا مقصد یہ ہے کہ الگ الگ جگہ ضعیف راویوں کی تفصیل بیان کر دی جائے تاکہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

علم جرح وتعدیل بھی علمِ اسماے رجال کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح علمِ اسماے رجال ایک اہم فن ہے اسی طرح علم جرح وتعدیل بھی ایک اہم فن ہے۔

امامِ اعظم اور علمِ حدیث

تاریخِ علمِ حدیث کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان گھٹانے کے لیے آپ پر "قَلِیْلُ الْبِضَاعَةِ فِی الْحَدِیْثِ" (علمِ حدیث میں کم مایگی) کا بے بنیاد الزام چسپاں کر دیا گیا، آپ کی مُحدّ ثانہ حیثیت پر کلام کرتے ہوئے مخالفین نے طرح طرح کی باتیں کہی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت، علمِ حدیث پر بہت کمزور تھی اور آپ نے کل سترہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ حدیث پر اپنے قیاس ورائے کو ترجیح دیتے تھے اور آپ کے فقہی مسلک کی اساس سنت پر قائم نہیں ہے۔

جب کہ ان کے یہ سارے الزامات سراسر بے بنیاد ہیں۔ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمِ حدیث میں کیا خدمات ہیں اور ان کا مقام علمِ حدیث میں کتنا ارفع و اعلیٰ ہے؟ اس کو سمجھنا ہے تو آج کے غیر مقلدین عوام بلکہ ان کے پیشوا حضرات (جنھیں ایک طرف تو محدثیت کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف "لَهُ اَوْهَامٌ" اور "وَهِمٌ" کا فرق نہیں معلوم) سے سننے کے بجائے ان علما اور محدثین کی سنیں جن پر مخالفین اور حاسدینِ امامِ اعظم خود بھی متفق ہیں، جنھیں امت نے بطورِ محدث قبول کیا ہے۔ ان حضرات میں حضرتِ سفیان ثوری، حضرتِ عبداللہ بن مبارک، حضرتِ مِسعر بن کِدام، حضرتِ یحییٰ بن معین، حضرتِ احمد بن حنبل وغیرہ ہیں۔ ان لوگوں نے امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ثنا خوانی کس طرح کی ہے، اس سلسلے میں چند اقتباسات درج کیے جا رہے ہیں:

حضرتِ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ طالبِ علمی کے ایک ساتھی جن کا نام حضرتِ امام مِسعر بن کدام ہے، حضرتِ امامِ اعظم کے تعلق سے ان کا ایک قول حضرتِ امامِ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں:

طَلَبْتُ مَعَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ الْحَدِیْثَ وَ اَخَذْنَا فِی الزُّهْدِ فَبَرَعَ عَلَیْنَا وَ طَلَبْنَا مَعَهُ الْفِقْهَ فَجَآءَ مِنْهُ مَا تَرَوْنَ.

(مناقب الامام ابی حنیفة وصاحبیہ، ناشر: لجنة احیاء المعارف النعمانیة، حصہ اول، ص:۴۳)

ترجمہ: میں نے امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حدیث کا علم حاصل کیا، ہم دونوں زُہد میں لگے تو وہ اس میں بھی ہم سے فائق ہوگئے اور ہم نے ان کے ساتھ علمِ فقہ کا حصول شروع کیا تو تم دیکھتے ہو کہ کیسا کمال ان سے ظاہر ہوا۔

یہ وہی مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جن کے اتقان کی بنیاد پر حضرتِ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ انھیں مُصحف (حدیث کی کتاب) کہا کرتے تھے۔

(تذکرة الحفاظ، ناشر: دار الکتب العلمیة بیروت، حصہ اول، ص:۱۴۱)

حضرت حافظ ابو محمد رامَہُر مُزی تحریر کرتے ہیں:

حضرت امام شُعبہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے درمیان جب کسی حدیث کے سلسلے میں اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے:

اِذْهَبَا بِنَا اِلَی الْمِیْزَانِ مِسْعَرٍ.

(المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، ناشر: دار الفکر بیروت، حصہ اول، ص:۳۹۵)

ترجمہ: ہم دونوں کو مِسعر کے پاس لے چلو جو اس فن کے میزان ہیں۔

سیّد الحُفّاظ حضرتِ یحییٰ بن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے بارے میں حضرتِ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں، ان سے حافظ خطیبِ بغدادی نقل کرتے ہیں:

کَانَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ ثِقَةً لَّا یُحَدِّثُ اِلَّا مَا یَحْفَظُ وَ لَا یُحَدِّثُ بِمَا لَا یَحْفَظُ.

(تاریخ بغداد، ناشر: دار الغرب الاسلامیہ بیروت، حصہ پانزدہم، ص:۵۷۳)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں، جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی اسے بیان ہی نہیں کرتے۔

امام عبداللہ بن مبارک جن کی جلالتِ شان کا تمام اہل علم کو اعتراف ہے، آپ نے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں ایک نظم لکھی ہے، جن کے چند مصرعے یہ ہیں:

رَوٰی اٰثَارَہٗ فَاَجَابَ فِیْھَا
کَطَیْرَانِ الصُّقُوْرِ مِنَ الْمُنِیْفَۃِ
وَ لَمْ یَکُ بِالْعِرَاقِ لَہٗ نَظِیْرٌ
وَّ لَا بِالْمَشْرِقَیْنِ وَ لَا بِکُوْفَۃَ

(مناقب صدر الائمۃ، جلد دوم، ص: ۱۹۰)

ترجمہ: انھوں نے آثار کو روایت کیا تو ایسی بلند پروازی دکھائی کہ جیسے شکاری پرندے بلند مقام پر پرواز کررہے ہوں۔ نہ عراق میں ان کی کوئی نظیر تھی، نہ مشرق ومغرب میں اور نہ ہی کوفے میں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

مِنْ مَّنَاقِبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ الَّتِیْ انْفَرَدَ بِھَا اَنَّہٗ اَوَّلُ مَنْ دَوَّنَ عِلْمَ الشَّرِیْعَۃِ وَ رَتَّبَہٗ اَبْوَابًا ثُمَّ تَبِعَہٗ مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ فِیْ تَرْتِیْبِ الْمُوَطَّا وَ لَمْ یَسْبَقْ اَبَا حَنِیْفَۃَ اَحَدٌ۔

(تبییض الصحیفۃ، ناشر: دائرۃ المعارف حیدرآباد، ص: ۴۳)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ تنہا ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدوّن کیا اور اس کی ترتیب ابواب پر

کی پھر امامِ مالک نے موطاً کی ترتیب میں انھیں کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابوحنیفہ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

ابنِ خلکان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَ قَدْ ذَكَرَ الْخَطِيْبُ فِىْ تَارِيْخِهٖ مِنْهَا شَيْئًا كَثِيْرًا ثُمَّ اَعْقَبَ ذٰلِكَ بِذِكْرِ مَا كَانَ الْاَلْيَقُ فِىْ تَرْكِهٖ وَ الْاِضْرَابِ عَنْهُ فَمِثْلُ هٰذَا الْاِمَامِ لَا يُشَكُّ فِىْ دِيْنِهٖ وَ لَا فِى وَرَعِهٖ وَ تَحَفُّظِهٖ وَ لَمْ يَكُنْ يُعَابُ بِشَىْءٍ سِوٰى قِلَّةِ الْعَرَبِيَّةِ.

(وفیات الاعیان، حصہ سوم، ص:۲۰۵)

ترجمہ: خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کے بہت سے حصے ذکر کیے ہیں، اس کے بعد ایسی غیر مناسب باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا مناسب تھا کیوں کہ امام اعظم جیسی شخصیت کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے نہ ہی حفظ وورع میں۔ آپ پر قلّتِ عربیت کے سوا کسی اور چیز کی نکتہ چینی نہیں کی گئی ہے۔

علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں:

امامِ ابوحنیفہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان سے صرف سترہ احادیث مروی ہیں یا اس کے قریب قریب، یہ بعض حاسدوں کی خام خیالی ہے کہ جس امام سے روایت کم مروی ہوں وہ حدیث میں قلیل البضاعۃ ہوتا ہے، حالاں کہ ایسا لغو تخیل کیا ائمہ کے بارے میں سخت گستاخی و بے عقلی نہیں ہے؟

(مقدمہ ابن خلدون، ناشر: دار الفکر بیروت، حصہ اول، ص:۵۶۱)

غور کیجیے کہ حضرتِ امامِ شعبہ اور حضرتِ سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں حضرات ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کہلاتے ہیں، ان حضرات کے میزان جن سے یہ

دونوں حضرات اپنی حدیث کے تعلق سے شہادت لیں ان کے علم کا کیا عالم ہوگا۔اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرتِ مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث جن کی ثنا خوانی کریں ان کا مقام ومرتبہ کتنا بلند ہوگا۔

قبولِ حدیث کے بارے میں امامِ اعظم کے شرائط

امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ خلافت میں حدیث کے ذخائر کو جمع کرنے کی ذمے داری حضرت امام زُہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپی تھی۔امام زُہری اوران کے اصحاب کی کوششوں سے حدیثیں جمع تو ہو گئیں لیکن ان روایتوں میں جو اختلافات تھے انھیں دور کرنے اور پوری طرح بحث وتمحیص کرنے کی ضرورت تھی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلی صدی کے اختتام تک علمِ حدیث کے بڑے بڑے ماہرین سے استفادہ کر چکے تھے،آپ نے ابن شہاب زُہری سے بھی بھر پور استفادہ کیا،حجاز میں چار سال کے قیام کے دوران یہاں کے شیوخ کے علمی حلقوں سے حدیثیں اخذ کی،کوفہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلامذہ اور متعلقین کی روایتیں آپ کے پاس محفوظ تھیں۔

اب آپ کے پیشِ نظر یہ اہم کام تھا کہ ان روایات سے استخراج واستنباط کیا جائے لیکن استنباط سے پہلے حدیث کو قبول کرنے کا مرحلہ تھا کہ کسے قبول کیا جائے اور کسے رَد کیا جائے۔اس مقصد کے لیے آپ نے چند بنیادی اصول وضع فرمائے،انھیں یہاں بیان کیا جا رہا ہے جس سے اخذِ حدیث میں امامِ اعظم کے شرائط کی سختی اور قلتِ روایت کا سبب دونوں باتیں معلوم ہو جائیں گی۔

(۱) **ضبط۔**

محدثین کے نزدیک قبولِ حدیث کے لیے دوسرے کئی شرائط کے ساتھ راوی کا

ضابط ہونا بھی ضروری ہے، چاہے ضبطِ صدر ہو یا ضبطِ کتابت ہو (جن کی توضیح اسی حصے کے آغاز میں ہو چکی ہے۔) لیکن امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اسی وقت روایت کرنا جائز ہے جب اسے حدیث یاد ہو۔ حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

كَانَ اَبُوْحَنِيفَةَ يَقُولُ لَا تُحَدِّثُ اِلَّا بِمَا تَعْرِفُ وَ تَحْفَظُ.

(الکفایۃ فی علم الروایۃ، ناشر: المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورۃ، حصہ اول، ص:۲۳۱)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا انسان عارف اور حافظ نہ ہو اسے بیان نہ کرے۔

حضرت امام وکیع بن جراح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں: حدیث کے اخذ وروایت کے سلسلے میں جو احتیاط امام ابوحنیفہ نے کی، کسی اور نے نہیں کی۔

(سیرۃ النعمان، ص:۳۴۲)

(۲) شہرت و تواتر۔

راویوں میں ضبط وعدالت کی صفت موجود ہو تو علماے محدثین ان کی روایتیں قبول کر لیتے ہیں لیکن امامِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان صفات کے علاوہ روایت قبول کرنے کے لیے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ اُس کے راوی طبقۂ تابعین اور تبعِ تابعین میں معقول تعداد میں موجود ہوں تبھی اس روایت کو قبول کیا جائے گا۔

امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

كَانَ الْاِمَامُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَشْتَرِطُ فِى الْحَدِيْثِ الْمَنْقُوْلِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَبْلَ الْعَمَلِ بِهٖ اَنْ يَّرْوِيَهٗ عَنْ ذٰلِكَ الصَّحَابِيِّ جَمْعُ اَتْقِيَاءَ عَنْ مِّثْلِهِمْ وَ هٰكَذَا.

(ابوحنیفۃ حیاتہ وعصرہ، ص:۱۹۷)

ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی روایت کو اسی وقت قابلِ عمل مانتے تھے جب کہ اسے طبقۂ صحابہ کے بعد دیگر طبقات میں ثقہ اور عادل راویوں کی ایک جماعت نے نقل کیا ہو۔

(۳) سماعت و قراءت۔

حدیث کے اخذ کرنے اور بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ایک یہ کہ استاذ پڑھے اور شاگرد سنے اور دوسرا یہ کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے طریقے یعنی قراءت علی الشیخ کو پسند فرماتے تھے۔

اس ضمن میں شاگردِ امامِ اعظم حضرت حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے: تمھارا شیخ کے روبرو پڑھنا سماع کے مقابلے میں زیادہ ثابت اور مؤکد ہے کیوں کہ جب شیخ تمھارے سامنے پڑھتا ہے تو صرف کتاب ہی پڑھے گا اور جب تم پڑھو گے تو کہے گا کہ میری جانب سے وہ روایت کرو جو تم نے پڑھا ہے۔اس لیے یہ مزید تاکید ہوگئی۔

(۴) روایت باللفظ۔

روایت باللفظ اور روایت بالمعنٰی میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک روایت بالمعنٰی جائز ہے، کچھ شرائط کے ساتھ لیکن امام طحاوی کی روایت کے مطابق امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ روایت بالمعنٰی کے جواز کے قائل نہ تھے۔

(ملخصًا از ابوحنیفۃ حیاتہ وعصرہ، ص: ۱۹۵)

(۵) سند میں اتصال اور اِرسال۔

محدثین حدیث کے قبول کرنے کے لیے سند کے اتصال کی شرط لگاتے ہیں، اس بنیاد پر مُرسَل ان کے نزدیک غیر متصل ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہے۔امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مُرسَل مقبول ہے۔

اَحناف کے مُرسل حدیث قبول کرنے کی وجہ

محدثین صحیح کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ جس کی سند متصل ہو۔ اس لیے محدثین حدیثِ مُرسَل کو ضعیف قرار دے کر نا قابلِ استدلال بتاتے ہیں۔ دراصل حدیثِ مُرسَل اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کی سند میں صحابی کا واسطہ حذف کر دیا گیا ہو اور تابعی براہِ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول وفعل کو نقل کر رہے ہوں۔ جیسا کہ عام طور پر حضرت مکحول دمشقی، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت سعید بن میسّب، حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین اور دیگر تابعین رحمہم اللہ اجمعین کا معمول تھا۔

اتصالِ سند کی یہ قید تیسری صدی کے محدثین نے اس لیے لگائی ہے کہ اُن کے دور میں اسنادی واسطے زیادہ ہو گئے تھے، ان واسطوں میں اہم کڑیاں معلوم کرنا، پھر ان میں باہم اتصال کا پتہ لگانا ضروری ہو گیا تھا اور امام ابوحنیفہ کا تعلق چوں کہ پہلی صدی کے اخیر اور دوسری صدی کی ابتدا سے ہے، اس لیے ان کے دور میں اتصال اور اِرسال میں سندی واسطے کے کم ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں تھا۔ علما کے نزدیک جس طرح مُسنَد اور متصل حدیثیں قابلِ قبول تھیں، اسی طرح مُرسَل حدیثیں بھی حجت تھیں۔

حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ التَّابِعُوْنَ بِاَسْرِهِمْ قُبُوْلَ الْمُرْسَلِ وَ لَمْ یَأتِ عَنْهُمْ اِنْكَارُهٗ وَ لَا عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ بَعْدَهُمْ اِلٰی رَأْسِ الْمِائَتَیْنِ.

(مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ، ص:۱۳۶)

ترجمہ: تابعین کے یہاں حدیث مرسَل کے مقبول ہونے پر اتفاق تھا۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی بھی امام سے دوسری صدی کے اختتام تک کسی بھی امام سے مُرسَل کا انکار ثابت نہیں۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اہلِ مکہ کے نام اپنے رسالے میں لکھا:

اَمَّا الْمَرَاسِیْلُ فَقَدْ کَانَ یَحْتَجُّ بِھَا الْعُلَمَآءُ فِی مَا مَضٰی مِثْلُ سُفْیَانَ الثَّوْرِیّ وَ مَالِکٍ وَ الْاَوْزَاعِیّ حَتّٰی جَاءَ الشَّافِعِیُّ فَتَکَلَّمَ فِیْھَا وَ تَابَعَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ اَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ وَ غَیْرُھُمْ.

(تاریخ بغداد، جلد:۱۴، ص:۲۴۵)

ترجمہ: جہاں تک مراسیل کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو اسلاف ومتقدمین مثلاً حضرت سفیان ثوری، حضرت امامِ مالک اور حضرت امامِ اوزاعی سب لوگ قابلِ استدلال سمجھتے تھے یہاں تک کہ امام شافعی آئے اور انھوں نے مراسیل کی حجت پر کلام کیا اور امام احمد نے بھی اس ضمن میں ان کی پیروی کی۔

مراسیل کی حجیت ایک مستقل موضوع ہے، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دور میں مراسیل اور مسانید کی تقسیم نہیں تھی، علما کے یہاں دونوں قسم کی روایات مقبول تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ موطا امام مالک میں سیکڑوں مراسیل آئی ہیں اور ائمۂ مالکیہ کے نزدیک بھی مراسیل ومسانید میں حکمًا کوئی فرق نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دور چوں کہ امامِ ابوحنیفہ اور امامِ مالک کے بعد کا ہے اس لیے اسانید میں واسطے بڑھ گئے تھے جس کی بنیاد پر انھوں نے مراسیل کی حجیت پر کلام کیا اور مرسَل کی حیثیت کو بعض شرائط کے ساتھ مشروط فرما دیا۔ جو حضرات امامِ شافعی کا یہ موقف پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے مراسیل کو مطلقاً رَد کر دیا، یہ ان کی غلط فہمی ہے، امامِ شافعی نے کبار تابعین کے مراسیل کو قبول کیا ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں جو شرائط بیان کیے ہیں وہ محض احتیاط کے لیے ہیں اور امامِ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی موقف ہے کہ مراسیل لائقِ استدلال ہیں۔ ان ساری باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا درست ہے کہ امامِ ابوحنیفہ کا موقف ارسال واتصال کے سلسلے میں

وہی رہا جو اُس دور کے جمہور علما، فقہا اور محدثین کا تھا۔

امامِ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس مسئلے میں امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہیں کہ اُس زمانے تک حدیث کے لکھنے سے زیادہ اسے یاد کرنے پر زور دیا جاتا تھا، پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا ویسے ویسے یاد کرنے کی جگہ لوگ حدیث کو لکھ کر محفوظ کرنے لگے، پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ راوی جس نے حدیث یاد کر کے محفوظ کیا اس کی روایت کو اس شخص کی روایت پر ترجیح حاصل ہے جس نے لکھ کر یاد کیا۔

حضرت امامِ ذہبی امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

اٰخُذُ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَمَا لَمْ اَجِدْ فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ الْاٰثَارِ الصِّحَاحِ عَنْہُ الَّتِی فَشَتْ فِی اَیْدِی الثِّقَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ، فَاِنْ لَّمْ اَجِدْ فَبِقَوْلِ اَصْحَابِہٖ، اٰخُذُ بِقَوْلِ مَنْ شِئْتُ وَ اَمَّا اِذَا انْتَھَی الْاَمْرُ اِلٰی اِبْرَاھِیمَ وَ الشَّعْبِیِّ وَ الْحَسَنِ وَ عَطَاءٍ فَاَجْتَھِدُ کَمَا اجْتَھَدُوْا.

(مناقب الامام ابی حنیفۃ وصاحبیہ، ناشر: لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ حیدر آباد الدکن، حصہ اول، ص:۳۴)

ترجمہ: میں کتاب اللہ سے مسئلے اَخذ کرتا ہوں، اگر اس میں نہ ملیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی ان صحیح حدیثوں سے اخذ کرتا ہوں جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعے شائع ہوتی ہیں، اگر یہاں بھی نہ مل سکے، تو صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان میں سے جن کا قول چاہتا ہوں اِختیار کر لیتا ہوں لیکن جب معاملہ حضرت ابراہیم، حضرت شعبی، حضرت حسن بصری اور حضرت عطاء بن ابی رباح تک آجاتا ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا تھا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان خاص طور پر قابلِ غور ہے، اس میں آپ نے اپنے طریقِ استنباط کی توضیح فرمائی ہے اور احادیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ آپ

صرف انھی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جو کہ صحیح ہیں اور ثقات کے ذریعے جن کی اشاعت ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حدیث سے متعلق حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی طرزِ عمل بتلایا ہے، فرماتے ہیں:

یَأْخُذُ بِمَا صَحَّ عِنْدَہٗ مِنَ الْاَحَادِیْثِ الَّتِیْ کَانَ یَحْمِلُھَا الثِّقَاتُ وَبِالْاٰخَرِ مِنْ فِعْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ.

(الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص: ۱۴۲)

ترجمہ: جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور جنھیں ثقات روایت کرتے ہیں اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری فعل ہوتا ہے یہ اسے ہی لیتے ہیں۔

حضرتِ امامِ مالک علیہ الرحمہ محدثین کی نظر میں

آپ کا اسمِ گرامی مالک اور کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ کا نسبی تعلق یمن کے شاہی خاندان ''حُمیر'' کی مشہور شاخ ''اَصبح'' سے ہے۔

حضرتِ عبد اللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرتِ امامِ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا: حضرتِ امامِ زُہری کے تلامذہ میں سے کون سب سے زیادہ پختہ ہیں؟ آپ نے فرمایا:

مَالِکٌ اَثْبَتُ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ.

ترجمہ: امامِ مالک ہر فن میں پختہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، حصہ اول، ص:۱۵۴)

حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مَالِکٌ اَحَبُّ اِلَیَّ فِیْ نَافِعٍ مِنْ اَیُّوْبَ وَ عُبَیْدِ اللّٰہِ.

ترجمہ: حضرت نافع سے حدیث بیان کرنے میں مجھے امامِ مالک' ایوب اور عبید اللہ سے زیادہ محبوب ہیں۔ (ایضًا، ص:۱۵۵)

حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مَا عِنْدِیْ بَعْدَ التَّابِعِیْنَ اَنْبَلَ مِنْ مَالِکٍ وَّ لَا اَجَلَّ مِنْهُ وَ لَا اَوْثَقَ وَ لَا اٰمَنَ عَلَی الْحَدِیْثِ مِنْهُ وَ لَا اَقَلَّ رِوَایَةً عَنِ الضُّعَفَاءِ.

(تہذیب التہذیب، ناشر: دائرۃ المعارف النظامیۃ الہند، حصہ دہم، ص:۹)

ترجمہ: میرے نزدیک تابعین کے بعد امامِ مالک سے زیادہ دانش مند، بزرگ، ثقہ، حدیث میں مامون اور ضعیف راویوں سے کم روایت کرنے والا کوئی نہیں۔

مدینۂ منورہ میں حضرتِ امامِ مالک کا حلقۂ درس دیگر تمام شیوخ کی نسبت کافی وسیع

تھا، اس کی وُسعت کا اندازہ امامِ شعبہ کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں:

قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ بَعْدَ مَوْتِ نَافِعٍ بِسَنَةٍ فَإِذَا لِمَالِكٍ حَلْقَةٌ.

(تذکرۃ الحفاظ، حصہ اول، ص:۱۵۴)

ترجمہ: میں حضرتِ نافع کی وفات کے ایک سال بعد مدینۂ منورہ آیا تو امامِ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حلقۂ تدریس وسیع تھا۔

حضرتِ امامِ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ایک بار میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس گیا، اس نے حرام وحلال سے متعلق چند سوالات پوچھے، اس نے آخر میں کہا: واللہ! آپ کا علم اور آپ کی عقل سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ میں نے کہا امیر المومنین! بخدا ایسا نہیں ہے۔ بولا کیوں نہیں، ایسا ہی ہے۔ آپ اپنی صلاحیت کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، میں اگر زندہ رہا تو آپ کی فقہ کو قرآنِ حکیم کی طرح لکھوا کر اطرافِ ملک میں بھیجوں گا اور اس کے مطابق عمل کرنا لوگوں پر واجب کر دوں گا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ص:۱۵۵)

ان اقوال سے امامِ مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محدثانہ شان واضح ہوتی ہے۔

حضرتِ امامِ شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ محدثین کی نظر میں

آپ کا نام محمد اور کنیت ابوعبد اللہ ہے۔ آپ کی ولادت ۱۵۰ھ میں شہر غزہ، عسقلان میں ہوئی۔ دنیائے علم وفن کا یہ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۵۰ھ ہی میں ایک امام یعنی امامِ اعظم دنیا سے رخصت ہوئے اور دوسرے امام یعنی امامِ شافعی دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔

علمِ حدیث میں امامِ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عظیم احسانات کا اعتراف ائمۂ فن نے اس طرح کیا ہے۔

حضرت امامِ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَقِیْضُ لِلنَّاسِ فِیْ کُلِّ رَأسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَّنْ یُّعَلِّمُھُمُ السُّنَنَ وَیَنْفِیْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ الْکِذْبَ فَنَظَرْنَا فَاِذَا فِیْ رَأسِ الْمِائَۃِ عُمَرُ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَ فِیْ رَأسِ الْمِأَتَیْنِ الشَّافِعِیُّ. (تہذیب التہذیب، حصہ نہم، ص:۲۵)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو لوگوں کو سنن کی تعلیم دے گا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹ کی نفی کرے گا۔ ہم نے جب اس پر غور کیا تو دیکھا کہ پہلی صدی کے آخر میں وہ شخص حضرت عمر بن عبدالعزیز ہیں اور دوسری صدی کے آخر میں حضرت امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرتِ ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

مَا عِنْدَ الشَّافِعِیِّ حَدِیْثٌ غَلَطٌ. (ایضًا، ص:۳۰)

ترجمہ: امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ کوئی حدیث غلط نہیں ہے۔

حضرت ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْلَا الشَّافِعِیُّ لَکَانَ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ فِیْ عَمًی.

(مرأۃ الجنان، حصۂ دوم، ص:۱۶)

ترجمہ: اگر امامِ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ ہوتے تو اصحابِ حدیث تاریکی میں رہتے۔

حضرت امامِ ابوداوٗد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَیْسَ لِلشَّافِعِیِّ حَدِیْثٌ اَخْطَأَ فِیْهِ. (تہذیب التہذیب، حصہ نہم، ص:۳۰)

ترجمہ: امامِ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں خطا ہو۔

حضرتِ امامِ نسائی فرماتے ہیں:

کَانَ الشَّافِعِیُّ عِنْدَنَا اَحَدَ الْعُلَمَاءِ ثِقَةً مَأمُوْنًا.

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے نزدیک ثقہ مامون علما میں سے ایک ہیں۔

(ایضًا، ص:۳۱)

حضرتِ امامِ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَ کَانَ حَافِظًا لِّلْحَدِیْثِ بَصِیْرًا بِعِلَلِهٖ لَا یَقْبَلُ مِنْهُ اِلَّا مَا ثَبَتَ عِنْدَهٗ وَ لَوْ طَالَ عُمُرُهٗ لَازْدَادَ مِنْهُ. (تذکرۃ الحفاظ، حصۂ اول، ص:۲۶۵)

ترجمہ: آپ حدیث کے حافظ اور اس کے علل کو خوب جاننے والے تھے، صرف وہی حدیث قبول کرتے جو آپ کے نزدیک درجۂ صحت کو پہنچ جاتی تھی۔ اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو اس فن میں آپ کے کمال میں مزید اضافہ ہوجاتا۔

حضرت علامہ ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَ کَانَ الشَّافِعِیُّ کَثِیْرَ الْمَنَاقِبِ جَمَّ الْمَفَاخِرِ مُنْقَطِعَ الْقَرِیْنِ اجْتَمَعَتْ فِیْهِ مِنَ الْعُلُوْمِ بِکِتَابِ اللّٰهِ وَ سُنَّةِ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ کَلَامِ الصَّحَابَۃِ وَ اٰثَارِھِمْ وَ اخْتِلَافِ اَقَاوِیْلِ الْعُلَمَاءِ وَ غَیْرِ ذٰلِکَ مِنْ مَعْرِفَۃِ کَلَامِ الْعَرَبِ وَ اللُّغَۃِ وَ الْعَرَبِیَّۃِ وَالشِّعْرِ.

(وفیات الاعیان، ناشر: دارصادر بیروت، حصہ چہارم، ص:۱۶۳)

ترجمہ: امامِ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کثیر المناقب اور بہت سارے مفاخر کے جامع، منقطع القرین، کتاب اللہ، سنتِ رسول، صحابہ کے کلام وآثار، علما کے مختلف فیہ اقوال اوراس کے علاوہ کلامِ عرب کی معرفت، لغت، عربیت، شعر جیسے علوم وفنون کے جامع تھے۔

ان عبارتوں سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ محدّثین اور ائمۂ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک علمِ حدیث میں حضرتِ امامِ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقام بہت بلند تھا۔

حضرتِ امامِ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بحیثیتِ محدث

آپ کا نام احمد اور کنیت ابوعبد اللہ ہے۔آپ کا خاندان خالص عربی تھا۔

علمِ حدیث میں مقام

امامِ احمد اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث تھے،آپ نے بڑے بڑے شیوخ سے علمِ حدیث حاصل کیا اور اس ذخیرے سے آنے والی نسلوں کو فیضیاب کیا۔ان کے تلامذہ میں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے محدثین شامل تھے۔آپ کی محدثانہ جلالت اور کثرت حدیث کا اعتراف بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کیا ہے۔

حضرت امامِ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

شَیُخُ الۡاِسۡلَامِ وَ سَیِّدُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ فِیۡ عَصۡرِہِ الۡحَافِظُ الۡحُجَّۃُ.

(تذکرۃ الحفاظ حصہ: دوم ص:۱۵)

ترجمہ: حضرت امامِ احمد بن حنبل اپنے زمانے کے شیخ الاسلام،سید المسلمین بلند پایہ حافظ حدیث اور حجت تھے۔

حضرت نوح بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

رَاَیۡتُ اَحۡمَدَ فِیۡ مَسۡجِدِ الۡخَیۡفِ سَنَۃَ ۱۹۸ مُسۡتَنِدًا اِلَی الۡمَنَارَۃَ فَجَآئَہٗ اَصۡحَابُ الۡحَدِیۡثِ فَجَعَلَ یُعَلِّمُھُمُ الۡفِقۡہَ وَالۡحَدِیۡثَ وَ یُفۡتِی النَّاسَ. (تہذیب التہذیب حصہ:اص:۷۴)

ترجمہ: میں نے امامِ احمد کو ۱۹۸ھ میں مسجد خیف میں دیکھا منارے سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ان کے پاس اصحاب حدیث آتے تو وہ انھیں حدیث وفقہ کی تعلیم دینے لگتے اور لوگوں کو فتویٰ بتاتے۔

حضرت امام عجلی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

ثِـقَةٌ ثَبَتٌ فِی الْحَدِیْثِ نَزْہُ النَّفْسِ فَقِیْہٌ فِی الْحَدِیْثِ مُتَّبِعُ الْاٰثَارِ صَاحِبُ سُنَّةٍ وَّ خَیْرٍ. (تہذیب التہذیب حصہ:اص:۷۴)

ترجمہ: حدیث میں وہ ثقہ اور ثبت ہیں، پاکیزہ نفس اور فقیہ الحدیث ہیں اور آثار کی پیروی کرنے والے صاحبِ خیر اور سنت ہیں۔

حضرتِ امامِ ابوحاتم رحمۃ اللہ تعالی علیہ آپ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ اِمَامٌ وَ هُوَ حُجَّةٌ. (تہذیب التہذیب حصہ:اص:۷۵)

ترجمہ: وہ امام اور حجت ہیں۔

حضرتِ ابن سعد رحمۃ اللہ تعالی علیہ آپ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

ثِقَةٌ ثَبَتٌ صَدُوْقٌ کَثِیْرُ الْحَدِیْثُ. (تہذیب التہذیب حصہ:اص:۷٦)

ترجمہ: وہ ثقہ، ثبت، صدوق اور کثیر الحدیث تھے۔

حضرتِ ابنِ خلکان رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

کَانَ اِمَامَ الْمُحَدِّثِیْنَ صَنَّفَ کِتَابَهُ الْمُسْنَدَ وَ جَمَعَ فِیْهِ مِنَ الْحَدِیْثِ مَا لَمْ یُتَّفَقْ لِغَیْرِهٖ. (وفیات الاعیان حصہ:اص:٦۴)

ترجمہ: امامِ احمد محدثین کے امام تھے، انھوں نے کتاب المسند لکھی اور اس میں انھوں نے اتنی حدیثیں جمع کیں کہ اتنی توفیق دوسروں کو نہ ہوئی۔

حضرتِ امامِ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور علمِ حدیث

آپ کا اسم گرامی یعقوب، کنیت ابو یوسف ہے۔ آپ کے جدّ اعلیٰ سعد بن حتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے۔ آپ کی ولادت کوفہ میں ۹۳ھ میں ہوئی۔

تحصیل علم

پورے انہماک کے ساتھ طلبِ علم میں مصروف ہو گئے، ان کے والد نے جب یہ حال دیکھا تو ایک دن امام صاحب کے حلقۂ درس میں پہنچے، اپنے فرزند کو زبردستی گھر لے گئے اور کہا ''ابو حنیفہ مالدار شخص ہیں تم ان کا مقابلہ کیوں کرتے ہو؟''

امامِ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میرے والد نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ لَا تَمُدَّ رِجْلَكَ مَعَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ فَاِنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ خُبْزُهٗ مَشْوِيٌّ وَ اَنْتَ تَحْتَاجُ اِلَى الْمَعَاشِ فَقَصُرْتُ عَنْ كَثِيْرٍ مِّنَ الطَّلَبِ وَ اٰثَرْتُ طَاعَةَ اَبِىْ.

(ترجمہ: اے میرے بیٹے! ابو حنیفہ سے مقابلہ نہ کرو، ابو حنیفہ کو پکی ہوئی روٹیاں میسر ہیں (یعنی وہ خوش حال ہیں) اور تم معاش کے محتاج ہو۔ امامِ ابو یوسف فرماتے ہیں تو میں کثرتِ طلب سے رک گیا اور اپنے والد کی اطاعت کرنے لگا۔)

چند دن مجلسِ درس میں شریک نہ ہوئے ایک دن جب حاضر ہوئے تو امام صاحب نے غیر حاضری کا سبب دریافت کیا، جواب دیا ''اَلشُّغُلُ بِالْمَعَاشِ وَ طَاعَةُ وَالِدِیْ'' (ترجمہ: کسبِ معاش کی مشغولیت اور والد کی اطاعت مانع رہی۔)

مجلس برخاست ہوئی تو امام صاحب نے انھیں روپیوں کی ایک تھیلی دی اور فرمایا: اسے ضروریات میں خرچ کرو اور ختم ہو جائے تو کہنا۔ اس طرح امام صاحب آپ کے

اخراجات کے کفیل بن گئے اور آپ بے فکری کے ساتھ تحصیلِ علم میں مصروف ہو گئے۔ یہ سلسلہ امامِ اعظم کی آخری عمر تک جاری رہا۔ (وفیات الاعیان، ناشر: دار صادر بیروت، حصہ ششم، ص:۳۸۰)

علمِ حدیث اور آثار

حضرت امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَبُوْ یُوْسُفَ صَاحِبُ حَدِیْثٍ وَّ صَاحِبُ سُنَّةٍ. (ایضًا)

ترجمہ: امامِ ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحبِ حدیث وسنت تھے۔

امامِ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اَبُوْ یُوْسُفَ اَتْبَعُ الْقَوْمِ لِلْحَدِیْثِ.

(تذکرۃ الحفاظ، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۲۱۴)

ترجمہ: امامِ ابو یوسف سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے ہیں۔

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

اِنَّ اَبَا یُوْسُفَ کَانَ حَافِظًا وَ اِنَّهٗ کَانَ یَحْضُرُ الْمُحَدِّثَ وَ یَحْفَظُ خَمْسِیْنَ، سِتِّیْنَ حَدِیْثًا ثُمَّ یَقُوْمُ یُمْلِیْهَا عَلَی النَّاسِ وَ کَانَ کَثِیْرَ الْحَدِیْثِ. (ایضًا)

ترجمہ: بے شک ابو یوسف حافظ تھے اور وہ محدث کے پاس حاضر ہوتے (اور ایک ہی مجلس میں) پچاس ساٹھ حدیثیں یاد کرتے، پھر وہاں سے اٹھتے اور لوگوں کو وہ حدیثیں املا کرا دیتے۔ وہ کثیر الحدیث تھے۔

حافظ خلکان رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

کَانَ فَقِیْهًا عَالِمًا حَافِظًا. (ایضا، ص:۳۷۹)

ترجمہ: وہ فقیہ، عالم اور حافظِ حدیث تھے۔

حضرتِ امامِ محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ محدثین کی نظر میں

آپ کا اسم گرامی محمد، کنیت ابوعبداللہ ہے۔ دمشق کے قریب حرسا نامی گاؤں میں رہتے تھے، وہیں پر ۱۳۲ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، پھر والدین نے کوفہ کو وطن بنایا جہاں آپ کی پرورش ہوئی اور وہیں پر آپ نے حضرتِ امامِ اعظم اور حضرتِ امامِ ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تعلیم حاصل کی۔

فقہ و تفسیر کے علاوہ حدیث کا ذوق بھی امامِ محمد کے اندر شیخین کی خدمت کے صدقے پیدا ہو چکا تھا مگر اس حلقۂ درس میں حاضری کی خصوصی وجہ فقہ و قرآن کے علم کا حصول تھا۔ اسی شوق میں آپ نے مدینۂ منورہ کا سفر کیا کیوں کہ وہی حدیث کا منبع و مصدر تھا۔ آپ نے حضرتِ امامِ مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ آپ تین سال تک مدینے ہی میں مقیم رہے اور سماعِ حدیث کرتے رہے۔

علمِ حدیث میں مہارت

حضرتِ امامِ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

طَلَبَ الْحَدِیْثَ وَ سَمِعَ سِمَاعًا کَثِیْرًا وَّ جَالَسَ اَبَا حَنِیْفَةَ وَ سَمِعَ مِنْهُ وَ نَظَرَ فِی الرَّأیِ فَغَلَبَ عَلَیْهِ وَ عُرِفَ بِهٖ وَ تَقَدَّمَ فِیْهِ.

(تہذیب الاسماء واللغات، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۸۱)

ترجمہ: حضرت امامِ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث کی طلب میں مشغول ہوئے اور بہت زیادہ حدیثیں سنیں، امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہم نشینی اختیار کی، ان سے بھی احادیث سنیں اور مسائل کا استنباط کیا، یہ فن اُن پر غالب آ گیا، اس میں دوسروں پر سبقت لے گئے اور اسی میں معرف و مشہور ہو گئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

كَانَ اِذَا حَدَّثَهُمْ عَنْ مَالِكٍ امْتَلَأَ مَنْزِلُهُ وَ كَثُرَ النَّاسُ حَتّٰى يَضِيْقَ عَلَيْهِ الْمَوْضِعُ.

(تہذیب الاسماء واللغات، ناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت، حصہ اول، ص:۸۱)

ترجمہ: حضرت امامِ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب مؤطا کا درس دیتے تھے تو ان کا مکان بھر جاتا، لوگ اس کثرت سے آتے کہ خود آپ کے لیے جگہ تنگ ہو جاتی۔

حضرت حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ مِنْ بُحُوْرِ الْعِلْمِ وَ الفِقْهِ قَوِيًّا فِيْ مَالِكٍ.

(میزان الاعتدال، ناشر: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت، حصہ سوم، ص:۵۱۳)

ترجمہ: امامِ محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و فقہ کے سمندر تھے اور آپ امامِ مالک کی مرویات میں قوی تھے۔

احناف محدثین

محدثین کرام میں ائمۂ ثلاثہ یعنی امامِ اعظم ابوحنیفہ، امامِ ابو یوسف اور امامِ محمد رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت امامِ زُفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ احناف کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ان حضرات میں سے چند کے اسما ذکر کیے جا رہے ہیں جن سے صحیحین میں متعدد احادیث مروی ہیں۔

نمبر شمار	اسمائے محدثین	سن وفات
۱	حضرت یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ	م۱۸۲ھ
۲	حضرت وکیع بن جراح	م۱۹۹ھ
۳	حضرت یحییٰ بن سعید قطّان	م۱۹۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن مبارک	م۱۸۱ھ
۵	حضرت عبدالرزاق بن ہمام	م۲۱۱ھ
۶	حضرت فُضیل بن عیاض بن مسعود التیمی	م۱۸۷ھ
۷	حضرت ابراہیم بن طہمان	م۱۶۰ھ
۸	حضرت یوسف بن خالد بن عمر ابو خالد السمتی	م۱۸۹ھ
۹	حضرت مالک بن مغول البجلی	م۱۵۹ھ
۱۰	حضرت زُہیر بن معاویہ بن حدیج الکوفی	م۱۷۲ھ

ان کے علاوہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خاص شاگردوں میں مجلسِ تدوینِ فقہِ حنفی کے ارکان میں سے بہت سے احناف محدثین ہیں جن سے اصحابِ سُنن وغیرہ نے روایتیں لی ہیں، ان کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔

بخاری کی ثلاثیات میں احناف محدثین

بخاری شریف کی سب سے اعلیٰ اور اونچی روایات وہ ہیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امامِ بخاری کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ (۱) تبعِ تابعی (۲) تابعی (۳) صحابی۔ ایسی روایات کو ثلاثیات کہا جاتا ہے۔

بخاری شریف میں کل ثلاثیات بائیس (۲۲) ہیں۔ جن میں سے گیارہ روایتیں حضرت مکی بن ابراہیم سے ہیں، چھ روایتیں حضرت امامِ ابوعاصم النبیل سے، تین حضرت محمد بن عبداللہ انصاری سے، ایک حضرت خلاد بن یحییٰ کوفی سے اور ایک عصام بن خالد الحمصی سے مروی ہے۔

ان بزرگوں میں سے مکی بن ابراہیم بلخی (م ۲۱۵ھ) اور ابوعاصم النبیل (م ۲۱۲ھ) دونوں حضرات امامِ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشد تلامذہ اور شرکائے تدوینِ فقہِ حنفی میں سے ہیں۔ دونوں کا امامِ بخاری کے کبارِ مشائخ میں شمار ہوتا ہے۔

تیسرے بزرگ حضرتِ محمد بن عبداللہ الانصاری البصری بھی حضرت امامِ اعظم کے تلامذہ میں سے ہیں، اس لحاظ سے بخاری شریف کی بیس ثلاثیات کے راوی حضرت امامِ اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور حنفی ہوئے۔

یہ تو متقدمینِ احناف محدثین کا ذکر تھا۔ ان کے علاوہ متأخرینِ احناف محدثین کی بھی علمِ حدیث میں بہت خدمات ہیں۔ ان میں سے چند کے اسما یہ ہیں:

نمبر شمار	اسمائے محدثین	سن وفات
۱	حضرت امام ِابوجعفر احمد بن محمد طحاوی	م ۳۲۱ھ
۲	حضرت حافظ عبد القادر	م ۷۷۵ھ
۳	حضرت محمد بن احمد بدر الدین عینی	م ۸۵۵ھ
۴	حضرت حافظ علاء الدین علی بن عثمان المار دینی	م ۷۵۰ھ
۵	حضرت کمال الدین محمد بن عبد الواحد (ابن الہمام)	م ۸۶۱ھ
۶	حضرت علی بن محمد ہروی (مُلاّ علی قاری)	م ۱۰۱۶ھ
۷	حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی	م ۱۰۵۲ھ
۸	حضرت شیخ عبد الوہاب متقی	م ۱۰۰۱ھ
۹	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	م ۱۱۵۹ھ
۱۰	حضرت امام احمد رضا بریلوی	م ۱۳۴۰ھ

حصۂ چہارم

(حدیث اور اصولِ حدیث سے متعلق رضوی افادات، توضیحات وتحقیقات)

فہرست حصۂ چہارم

اصول واحکامِ حدیث کے حوالے سے

رضوی افادات وارشادات وتحقیقات

خاص احادیثِ ضعاف کے بارے میں

رضوی ارشادات وتوضیحات وتحقیقات

خاص احادیث موضوعہ کے بارے میں
رضوی ارشادات، توضیحات وتحقیقات

اصول واحکامِ حدیث کے حوالے سے

رضوی افادات وارشادات وتحقیقات

برّصغیر کے امام المحدّثین، امام اہل سنت، سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ'' میں جس کسی فن پر کلام فرماتے ہیں وہ دراصل دسیوں، بیسوں نہیں بلکہ اس فن کی سیکڑوں کتب کے مطالعے کے بعد حاصل ہونے والی معلومات کا نادر مجموعہ ہوتا ہے۔ہم نے آپ کے اسی فتاویٰ شریف سے اصولِ حدیث سے متعلق متعدد اہم وضروری افادے و ارشادات اخذ کر کے اس کتاب میں شامل کر دیے۔

ان میں فنّ اصولِ حدیث کے جو نایاب جواہر پارے آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو شاید کسی کتاب میں نہ مل سکیں اور بہت سارے تو ایسے ہیں کہ ایک ساتھ مرتّب طور پر کہیں بھی دستیاب نہ ہوسکیں۔

اصولِ حدیث پڑھنے والے طلبہ سے ہم خصوصی گزارش کرتے ہیں کہ ان عظیم ''رضوی افادات، توضیحات وتحقیقات'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔خصوصًا طلبہ ان کے مطالعے کے بغیر فنِ اصولِ حدیث کی تکمیل کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ لائیں۔

واضح رہے کہ ہم نے افادوں سے پیشتر بطورِ عنوان صرف انھی باتوں کو رکھا ہے جو اصولِ حدیث سے متعلق زیادہ توجہ طلب ہیں ورنہ عمومًا ہر افادے میں کثیر دیگر اہم وضروری باتیں بھی موجود ہیں۔ افادوں کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس بات کا اندازہ خود لگا سکتے ہیں۔

واضح رہے کہ ''**العطایا النبویة فی الفتاوٰی الرضویة**'' کے رضوی افادات میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر کتابوں کے جو اقتباسات شامل فرمائے ہیں، اس کتاب میں خوفِ طوالت کے سبب انھیں ان کے حوالہ جات کے ساتھ حذف کر کے محض رضوی ارشادات وتحقیقات نقل کی گئی ہیں اور ان کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کی متعلقہ جلدوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔ جو حضرات اُن اقتباسات کے مطالعے کی ضرورت محسوس کریں وہ ''فتاویٰ رضویہ'' کی متعلقہ جلدوں کی طرف مراجعہ کر سکتے ہیں۔

افادۂ (۱)

''حدیث صحیح نہیں ہے'' کے مطلب کا روشن بیان

(حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنیٰ نہیں کہ غلط ہے) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت و دشوار اور موانع وعلائق کثیر وبسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں ''یہ حدیث صحیح نہیں''، یعنی اس درجۂ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھُکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سَیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عندالتحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں۔ (فتاوٰی رضویہ جلد پنجم، ص: ۴۳۶-۴۳۷)

افادۂ (۲)

حدیث کے آٹھ مراتب کی تفصیل

حسن اور صحیح نہ ہونے سے کیا لازم آتا ہے؟

حدیثِ موضوع کو حدیث کیوں کہتے ہیں؟

صحیح اور موضوع کے درمیان کثیر منازل ہیں

یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفی حسن میں بھی نص نہیں

جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو نہ کہ صالح ولائق اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، **سب سے اعلیٰ صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ**، (حدیث کے (آٹھ) مراتب اور اُن کے احکام) **مرتبۂ صحیح** کے بعد حسن لذاتہٖ بلکہ **صحیح لغیرہٖ** پھر **حسن لذاتہ**، پھر **حسن لغیرہ**، پھر **ضعیف بضعف قریب** اس حد تک کہ صلاحیتِ اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاطِ راوی یا سُوءِ حفظ یا تدلیس وغیرہا، اوّل کے تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب **مُحتَج بھا** ہیں اور آخر کی قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوّت پا کر حسن لغیرہٖ بلکہ صحیح لغیرہٖ ہو جاتی ہے، اُس وقت وہ صلاحیتِ احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گراں بہا پہنتی ہے، ورنہ دربارۂ فضائل تو آپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے، پھر درجہ ششم میں **(ضعیف ب) ضعف قوی ووہن شدید** ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جُدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقاً اور بعض کے طور پر بعد انجبار بتعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول وعمل پاتی ہے۔ پھر درجہ ہفتم میں **مرتبہ مطروح** ہے جس کا مدار وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کے رُو سے مطلقاً اور ایک اصطلاح پر اس کی نوعِ اشد یعنی جس کا مدار کذب پر ہو عین موضوع، یا نظرِ تدقیق میں یوں کہے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے۔ **ان سب کے بعد درجہ موضوع** کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابلِ انجبار، نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائق اعتبار، بلکہ اُسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافترا ہے، **والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی**۔ طالبِ تحقیق ان چند حرفوں کو یاد رکھے کہ باوصف وجازت محصل وملخص علم کثیر ہیں اور شاید اس تحریر

نفیس کے ساتھ ان سطور کے غیر میں کم ملیں، و لِلّٰہ الحمد و المنۃ (سب خوبیاں اور احسان اللہ تعالٰی کے لیے ہیں۔) خیر بات دُور پڑتی ہے کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں تو انکارِ صحت سے اثباتِ وضع ماننا زمین و آسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفیِ صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجیے یعنی اُس فرقۂ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کوشامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ باطل وموضوع ہے کہ حسن موضوع کے بیچ میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص: ۴۴۰)

افادۂ (۳)

مجھول العین کا قبول ھی مذھب محققین ھے

(مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے) افادۂ دوم میں گزرا کہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بہت محققین کی طرف نسبت کیا اور امام اجل ابوطالب مکّی نے اُسی کو مذہب فقہائے کرام واولیائے عظام قرار دیا اور یہی مذہب ہمارے ائمۂ اعلام کا ہے رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(لا) جرح (بان لہ راویا) واحدا (لفظ) دون غیرہ (وھو مجھول العین باصطلاح) کسمعان لیس لہ راو غیر الشعبی فان المناط العدالۃ والحفظ لا تعدد الرواۃ و قیل لا یقبل عند المحدثین و ھو تحکم اہ مختصرا۔ اس میں جرح (نہیں کہ (اس کا راوی) (فقط) ایک ہے (اور وہ اصطلاح میں مجہول العین ہے) مثلاً سمعان، ان سے راوی شعبی کے علاوہ کوئی نہیں کیوں کہ مدار عدالت راوی وحفظ ہے، راویوں کا متعدد ہونا نہیں، بعض نے کہا کہ محدثین کے نزدیک یہ مقبول نہیں یہ زیادتی ہے اھ مختصراً۔

پس در بارہ مجہول قول مقبول یہ ہے کہ مستور ومجہول العین دونوں حجت، ہاں مجہول الحال جس کی عدالت ظاہری بھی معلوم نہ ہوا حکام میں حجت نہیں فضائل میں بالاتفاق وہ بھی مقبول۔

تنبیہ: (غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے) مجہول جب مطلق بولا جاتا ہے تو کلامِ محدثین میں غالباً اُس سے مراد مجہول العین ہے، امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں: **جھالة العین وھو غالب اصطلاح اھل ھذا الشان فی ھذا الاطلاق.** محدثین جب مطلقاً مجہول کا لفظ بولیں تو اکثر طور پر اس سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۹۵)

اقول: مجہول العین بہت ائمۂ محققین کے نزدیک مقبول ہے اور مجہول الحال میں بھی بعض اکابر کا مذہب قبول ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ونہم ص:۱۹۰)

افادۂ (۳)

حدیثِ معلّق ہمارے نزدیک موصول ہے

اقول: و المعلق عندنا فی الاستناد کالموصول.

اقول: (حدیثِ معلّق بھی ہمارے نزدیک استناد میں موصول ہی کا حکم رکھتی ہے۔)

(فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص:۲۳۸)

افادۂ (٤)

”لا یصح فی ھذا الباب شیء“ کا مطلب

حلیہ میں فرمایا:

و قول الترمذی فلا یصح عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم فی ھذا الباب شیء انتھی لا ینفی وجود الحسن و نحوہ.

امام ترمذی کا قول ہے: اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح نہ

آئی۔اس قول سے حدیث حسن وغیرہ موجود ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ رضویہ جلداول،ص:۲۴۰-۲۴۱)

افادۂ (۵)

ائمۂ احناف کی بعض کتابوں کا رتبہ

کسنن ابی داؤد و النسائی و الترمذی و فی مرتبتها مسند الرؤیانی و مثلها بل فوق بعضها شرح معانی الاٰثار للطحاوی و کتاب الاٰثار لمحمد و الحجج لعیسی بن ابان عن محمد و کتاب الخراج لابی یوسف رضی اللّٰہ تعالٰی عن الجمیع.

جیسے ابوداؤد،نسائی اور ترمذی کی سنن،ان ہی کے درجہ میں مسند رویانی بھی ہے اور ان ہی کے مثل بلکہ ان میں بعض سے بالاتر امام طحاوی کی شرح معانی الآ ثار،امام محمد کی کتاب الآ ثار،امام محمد سے روایت شدہ حجِ عیسٰی بن ابان اور امام ابویوسف کی کتاب الخراج ہے۔ اللہ تعالٰی سب سے راضی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم،ص:۲۱۰-۲۱۱)

افادۂ (٦)

تشیّع اور رفض میں فرقِ عظیم

محاوراتِ سلف واصطلاح محدثین میں تشیّع ورفض میں کتنا فرق ہے۔

"کما صرحوا به و تدل علیه محاوراتهم، منها ما فی المیزان فی ترجمة الحاکم بعد ما حکی القول برفضه، اللّٰہ یحب الانصاف، ما الرجل برافضی بل شیعی فقط"

جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور ان کے محاورات سے بھی واضح ہے۔مثلاً میزان میں حاکم کے حالات میں کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ رافضی تھا۔اس کے بعد کہا ہے

''اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے، یہ آدمی رافضی نہیں ہے، صرف شیعہ ہے''۔

زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں **خذلھم اللّٰہ تعالٰی جمیعا** بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں خود مُلاّ جی کے خیال میں اپنی مُلاّئی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کے لیے متشیع کو رافضی بنایا حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی **کرم اللہ تعالٰی وجھه الکریم** کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبۂ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفّاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۱۷۴-۱۷۵)

افادۂ (۷)

بخاری و مسلم کے تقریباً ۳۰/ رواۃ جن پر تشیع کا اطلاق

ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے ان کے رواۃ میں تیس ۳۰ سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاحِ قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا ''**کتاب مسلم ملاٰن من الشیعة**'' (مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔) دُور کیوں جایئے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محبّ اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں **معاذ اللّٰہ** رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

(مثلاً ابان بن تغلب، اسمٰعیل بن ابان ورّاق، اسمٰعیل بن زکریا، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سُدی صدوق یهم، بکیر بن عبداللّٰه، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمٰن، حسن بن صالح، خالد بن مخلد قطوانی، ربیع بن انس صدوق له اوهام، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو همدانی، عباد بن یعقوب رواجنی، عباد بن عوام کلابی، عبداللّٰه بن عمر مشکدانه، عبداللّٰه بن عیسٰی کوفی، عبدالرزاق، صاحبِ مصنّف، عبدالملک بن اعین، عبیداللّٰه بن موسٰی، عدی بن ثابت، علی بن الجعد، علی بن هاشم بن البرید، فضل بن دُکین ابونعیم، فضیل بن مرزوق، فطر بن خلیفة، مالک بن اسمٰعیل نهدی، محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی، محمد بن جحاده اوریہی محمد بن فضیل، هشام بن سعد، یحیی بن الجزار وغیرهم) (فتاوٰی رضویہ جلد پنجم،ص:۱۷۶)

افادۂ (۸)

بخاری و مسلم کے متعدد رواۃ جن پر ''یغرب'' کا اطلاق

محدث جی! تقریب میں ثقہ یغرب ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔ اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔ باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہوتو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

(مثلاً ابرهیم بن طهمان، بشر بن خالد، ابرهیم بن سوید بن حبان،

بشیر بن سلمان، حسن بن احمد بن ابی شبیب، محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم وغیرھم کہ سب ثقة یغرب ہیں۔ احمد بن صباح، حکام بن مسلم وغیرھما ثقة له غرائب خصوصًا ازھر بن جمیل، خالد بن قیس، ابراھیم بن اسحٰق وغیرھم کہ صدوق یغرب یہ تینوں بشر بن بکر سے بھی گئے درجے کے ہوئے کہ ثقہ سے اتر کر طرف صدوق ہیں۔) (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۱۷۷)

افادۂ (۹)

بخاری و مسلم کے متعدد رواۃ جن پر "صدوق یخطیٔ" اور "صدوق یھم" کا اطلاق

رواۃ صحیح بخاری ومسلم میں کتنوں کی نسبت تقریب میں یہی صدوق یخطیء بلکہ اس سے زائد کہا ہے۔

(مثلاً اسمٰعیل بن مجالد، اشھل بن حاتم، بشر بن عبیس، حارث بن عبید، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن ابی زینب، حسان بن ابرھیم، حسان بن حسان بصری، حسان بن عبداللّٰه کندی، حسن بن بشر بن سلم، حسن بن ذکوان و رمی بالقدر، خالد بن خداش، خالد بن عبدالرحمٰن السلمی، شریک بن عبداللّٰه بن ابی بر، عبدالرحمٰن بن عبداللّٰه بن دینار، عبدالمجید بن عبدالعزیز، مسکین بن بکیر، معقل بن عبیداللّٰه وغیرھم ان سب پر وہی حکم صدوق یخطیء لگایا ہے خلیفة بن خیاط، عبداللّٰه بن عمر نمیری، عبدالرحمن بن حرمله اسلمی، عبدالرحمن بن عبداللّٰه بن عبید، یحییٰ بن ابی اسحٰق حضرمی وغیرھم صدوق ربما اخطأ ہیں، اب زیادہ کی بعض مثالیں لیجیے: حجاج بن ارطاة صدوق کثیر الخطاء

والتدلیس، شریک بن عبداللّٰہ نخعی صدوق یخطیء کثیرا تغیر حفظہ، صالح بن رستم المزنی صدوق کثیرالخطاء، عبداللّٰہ بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ وکانت فیہ غفلۃ، فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطاء، مطر الوراق صدوق کثیرالخطاء و حدیثہ عن عطاء ضعیف، نعیم بن حماد صدوق یخطیء کثیرا) (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۱۷۹)

تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی اُن (صحیحین) میں کس قدر ہیں۔ (مثل ابرھیم بن یوسف بن اسحاق، اسامہ بن زید اللیثی، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی، ایمن بن نابل، جابر بن عمرو، جبر بن نوف، حاتم بن اسمٰعیل، حرب بن ابی العالیہ، حرمی بن عمارہ، حزم بن ابی حزم، حسن بن الصباح، حسن بن فرات، حمید بن زیاد، ربیعہ بن کلثوم، عبداللّٰہ بن عبداللّٰہ بن اویس وغیرھم سب صدوق یھم ہیں۔ احوص بن جواب، حمزہ بن جیب زیات امام قراء ت، معاذ بن ھشام، عاصم بن علی بن عاصم وغیرھم سب صدوق ربما وھم بلکہ عطاء بن ابی مسلم صدوق یھم کثیرا.) (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۱۷۹)

افادۂ (۱۰)

چند اوہام یا کُچھ خطائیں محدّث کو نہ ضعیف بناتی ہیں اور نہ مردود

چند اوہام یا کُچھ خطائیں محدّث سے صادر ہونا نہ اُسے ضعیف کردیتا ہے نہ اُس کی حدیث کو مردود نہ وہ کہتے ہیں جو بالکل پاک صاف گزر گئے ہیں۔ یہ ہیں تمام محدثین کے امام الائمہ سفیان بن عینیہ جنہوں نے زہری سے روایت میں بیس۲۰ سے زیادہ حدیثوں میں

خطا کی، امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہوا کہ زہری سے روایت میں ثابت تر کون ہے، علی نے کہا سفیان بن عیینہ۔ میں نے کہا: امام مالک کہ ان کی خطا سفیان کی خطاؤں سے کم ہے، قریب بیس ۲۰ حدیثوں کے ہیں جن میں سفیان نے خطا کی، پھر میں نے اٹھارہ گنا دیں اور اُن سے کہا: آپ مالک کی خطائیں بتائیں۔ وہ دو تین حدیثیں لائے۔ پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیان نے بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی ہے۔ **ذکرہٗ فی المیزان** (اسے میزان میں ذکر کیا گیا ہے۔)

بااین ہمہ امام سفیان کے ثقہ ثبت حجت ہونے پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۱۸۴)

افادۂ (۱۱)

روایت بالمعنٰی کے بعض احکام

حدیث مروی بالمعنٰی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی کہ ایسی حدیث کے فاؤ واؤ وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں، **کما فی الحجۃ البالغۃ**۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۲۱۱)

احادیث مرویہ بالمعنٰی صحیحین وغیرہما صحاح وسنن مسانید ومعاجیم وجوامع واجزا وغیرہما میں دیکھیے، صدہا مثالیں اس کے پایئے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنٰی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں، کوئی پُوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دُوسرا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح، جمع طرق سے پُوری بات کا پتا چلتا ہے، ولہذا امام الشان ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں: ہم جب تک حدیث کو ساٹھ ۶۰ وجہ سے نہ لکھتے اُس کی حقیقت نہ پہچانتے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۳۰۱)

افادۂ (۱۲)

مفہومِ مخالف کہاں معتبر اور کہاں غیر معتبر

حنفیہ صرف عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں اس (مفہومِ مخالف) کی نفی کرتے ہیں کلام صحابہ و من بعدھم من العلماء میں مفہومِ مخالف بے خلاف مرعی ومعتبر کما نص علیه فی تحریر الاصول والنهر الفائق والدر المختار وغیرھا من الاسفار۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۲۴۵)

افادۂ (۱۳)

مشاجَرات صحابه میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ھیں

(مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔) نیز فرماتے ہیں۔(سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف وسقیم وبے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافاً یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلاً کسی کام کے نہیں اُنہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظر واقع سیر میں بہت اکاذیب واباطیل بھرے ہیں کما لا یخفی ۔بہر حال فرق مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بد مذہبی ہے، بد مذہبی نہیں تو جنون ہے۔سیر جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کر سکتے اُس کی روایات مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذاللّٰہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابۂ کرام حضور سیدالانام علیه وعلٰی اٰلهٖ وعلیهم افضل الصّلوة والسلام پر طعن پیدا کرنا،اعتراض نکالنا،اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بد دین مخالف ومضاد حق مبین آج کل کے بد مذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافات سیر وخرافات تواریخ

وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہل بیت وصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مطاعن مردودہ اوران کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب وواحض اور بہت الحاقات ملعونہ روافض چھانٹ لاتے اوراُن سے قرآن عظیم وارشاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجماعِ اُمّت واساطین ملّت کا مقابلہ چاہتے ہیں، بے علم لوگ اُنہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں، اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنیٰ مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کے لیے مسموع نہیں ہوسکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں۔(جل جلالہٗ و صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم) (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۵۸۲)

افادۂ (۱٤)

امام بخاری و امام مالک و امام احمد جیسے ثقہ کی روایت کا التزام کرنے والے محدثین بہت کم ہیں

(وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے) محدثین میں بہت کم ایسے ہیں جن کا التزام تھا کہ ثقہ ہی سے روایت کریں جیسے (۱) شعبہ بن الحجاج (۲) وامام مالک (۳) وامام احمد (۴) اوریحیٰی بن سعید قطان (۵) وعبدالرحمٰن بن مہدی اورانہیں سے ہیں (٦) امام شعبی (۷) وبقی بن مخلد (۸) وحریز بن عثمان (۹) وسلیمان بن حرب (۱۰) ومظفر بن مدرک خراسانی (۱۱) وامام بخاری۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:٦۰٦)

افادۂ (۱۵)

امام اعظم کا روایت فرمانا سندِ ثقاہتِ راوی

ثم اقول: (ہمارے امام اعظم جس سے روایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگئی۔) انہیں ائمہ محتاطین سے ہیں **علم اعلم امام اعظم سیدنا ابوحنیفة النعمان انعم اللہ تعالٰی علیه بانعام الرضوان ونعمه بانعم نعم الجنان** ، یہاں تک کہ اگر بعض مختلطین سے روایت فرمائیں تو اخذ قبل التغیر پر محمول ہوگا جس طرح احادیث صحیحین میں کرتے ہیں محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

قال محمد بن الحسن رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی کتاب الاٰثار اخبرنا ابوحنیفة ثنا لیث بن ابی سلیم عن مجاهد عن ابن مسعود رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال لیس فی مال الیتیم زکٰوة. ولیث کان احد العلماء العباد وقیل اختلط فی اٰخر عمره ومعلوم ان اباحنیفة لم یکن لیذهب فیاخذ عنه فی حال اختلاطه ویرویه وهو الذی شدد فی امر الروایة ما لم یشدده غیرهٗ علٰی ماعرف، اه.

امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے از لیث بن ابی سلیم از مجاہد از ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں۔ لیث علمائے عابدین میں سے تھا اور انہیں آخر عمر میں اختلاط ہوگیا اور یہ بات مسلّم ہے کہ امام اعظم ان سے اختلاط کے بعد حدیث اخذ نہیں کرسکتے کیونکہ آپ حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے، اھ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۶۱۲)

افادۂ (۱۶)

ائمۂ معتمدین کی بے سند ذکر کردہ احادیث کا حکم

(حدیث بے سند مذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اور اوہام قاصرین زماں کا ابطال وازہاق) اقول و باللّٰہ التوفیق: اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلامِ اثربین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہورہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلماتِ ائمہ معتمدین میں بصیغۂ جزم مذکور ہوں مطلقاً باطل ومردود وعاطل کہ احکام، مغازی، سِیَر، فضائل کسی باب میں اصلاً نہ سُننے کے لائق، نہ ماننے کے قابل حالانکہ یہ محض اختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین وجماہیر فقہا دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے۔ غیر صحابی جو قول یا فعل یا حال حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف بے سند متصل نسبت کرے محدثین کے نزدیک باختلاف حالات واصطلاحات مرسل منقطع معلق معضل ہے اور فقہا واصولین کی اصطلاح میں سب کا نام مرسل اصطلاحِ حدیث پر تعلیق واعضال یا اصطلاحِ فقہ واصول پر ارسال میں کچھ بعض سند کا ذکر ہرگز لازم نہیں بلکہ تمام وسائط حذف کرکے علمائے مصنفین جو قال یا فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ذٰلک کہتے ہیں یہ بھی معضل ومرسل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۶۲۱)

افادۂ (۱۷)

جماہیر ائمۂ فقہاء کی بے سند حدیثیں دربارۂ احکام بھی حجت ہیں

(جماہیر فقہائے کرام وائمہ فقہاء کی بے سند حدیثیں دربارہ احکام بھی حجت ہیں)

یہ سب کلام بطور محدثین تھا اور جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک تو معضلات مذکورہ فضائل درکنار خود باب احکام میں حجت ہیں جبکہ مرسل امام معتمد محتاط فی الدین عارف بالرجال بصیر

بالعلل غیر معروف بالتساہل ہو اور مذہب مختار امام محقق علی الاطلاق وغیرہا اکابر میں کچھ تخصیص قرن غیر قرن نہیں ہر قرن کے ایسے عالم کا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا حجت فی الاحکام ہے، کمانص علیہ فی المسلّم (عہ) وشروحہ۔ (جیسا کہ مسلم الثبوت اوراس کی شروح وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔)

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۶۲۱)

افادۂ (۱۸)

غیرِ عالم کسی جاھل کو حدیث میں کلام کرنا جائز نہیں

اور اگر جاہل ہے بطورِ خود جاہلانہ برسر پیکار ہے تو قابلِ تادیب وزجر وانکار ہے کہ جُہّال کو حدیث میں گفتگو کیا سزاوار ہے۔ وعیدِ حدیث اپنی اخوات کی طرح زجر وتہدید یا حرمانِ دخول جنت مع السابقین یا صورت قصد مضارّت بمضادّت شریعت پر محمول ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست وہفتم، ص:۴۷)

افادۂ (۱۹)

ائمۂ حدیث اور ائمۂ مجتھدین کے ما بین صحتِ حدیث کا معیار الگ الگ

کیا وجہ ھے کہ بارھا حدیث صحیح ھونے کے باوجود مجتھدین کرام اس پر عمل نھیں فرماتے؟

اصطلاحاً صحیح ھونا مجتھد کے لئے مستلزمِ عمل نھیں

اقول و باللّٰہ التوفیق: (میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔) صحتِ حدیث علی مصطلح الاثر وصحتِ حدیث العمل المجتہدین میں عموم خصوص مطلقاً بلکہ من وجہ ہے، کبھی حدیث سنداً ضعیف ہوتی ہے اور ائمۂ اُمت واُمنائے ملّت بنظر قرائنِ خارجہ یا

مطابقت قواعدِ شرعیہ اس پر عمل فرماتے ہیں کہ اُن کا یہ عمل ہی موجبِ تقویت وصحتِ حدیث ہوجاتا ہے۔ یہاں صحت عمل پر متفرع ہوئی نہ عمل صحت پر۔

بار ہا حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام مجتہد اُس پر عمل نہیں فرماتا خواہ یوں کہ اس کے نزدیک یہ حدیث نامتواتر نسخ کتاب اللہ چاہتی ہے یا حدیث آحاد زیادت علی الکتاب کررہی ہے۔ یا حدیث موضوع تکرر وقوع وعموم بلوی یا کثرت مشاہدین وتوفر دواعی میں آحاد آئی ہے یا اس پر عمل میں تکرار نسخ لازم آتی ہے یا دوسری حدیث صحیح اس کی معارض اور وجوہ کثیرہ ترجیح میں کسی وجہ سے اس پر ترجیح رکھتی ہے یا وہ بحکم جمع وتطبیق وتوفیق بین الادلہ ظاہر سے مصروف ومووّل ٹھہری ہے، یا بحالتِ تساوی وعدم امکان جمع مقبول وجہل تاریخ بعد تساقط ادلہ نازلہ یا موافقت اصل کی طرف رجوع ہوئی ہے۔ یا عمل علماء اس کے خلاف پر ماضی ہے۔ یا مثل مخابرہ تعامل امت نے راہ خلافت دی ہے۔ یا حدیث مفسر کی صحابی راوی نے مخالفت کی ہے۔ یا علت حکم مثل سہم مؤلفۃ القلوب وغیرہ اب منتفی ہے۔ یا مثل حدیث لا تمنعوا اماء اللّٰہ مساجد اللّٰہ۔ (اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔) مبنائے حکم حال عصر یا عرف مصر تھا کہ یہاں یا اب منقطع ومنتہی ہے، یا مثل حدیث شبہات اب اس پر عمل ضیق شدید وحرج فی الدین کی طرف داعی ہے۔ یا مثل حدیث تغریب عام اب فتنہ وفساد ناشی ہے، یا مثل حدیث ضجعہ فجر وجلسہ استراحت منشاء کوئی امر عادی یا عارضی ہے۔ یا مثل جہر بآیۃ فی الظہر احیاناً وجہر فاروق بدعائے قنوت حامل کوئی حاجت خاصہ نہ تشریع دائمی ہے۔ یا مثل حدیث علیک السلام تحیۃ الموتٰی (ترجمہ: ''علیک السلام'' مُردوں کا سلام ہے۔) مقصود مجرد اخبار نہ حکم شرعی ہے۔

الٰی غیر ذٰلک من الوجوہ التی یعرفھا النبیہ ولا یبلغ حقیقۃ کنھھا الاالمجتھد الفقیہ۔ (اس کے علاوہ دیگر وجوہ جن کو باخبر لوگ پہچانتے ہیں، اور سوائے

مجتہد عالم کے ان کی حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں۔)

تو مجرد صحت مصطلحہ اثر صحت عمل مجتہد کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ حضراتِ عالیہ صحابہ کرام سے لے کر پچھلے ائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں جس نے بعض احادیث صحیحہ کو مؤول یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست وہفتم، ص:۶۴-۶۶)

افادۂ (۲۰)

محال ہے کہ اصطلاحاً حدیث کا صحیح ہونا مجتہد کے نزدیک قابلِ عمل ہونے کو لازم ہو

مذہبِ امام (اعظم) کے کسی صحیح حدیث کے معارض ہونے کا دعوٰی کرنا دو بھاری امور پر موقوف

دوسرے امر کے حصول کے لیے چار سخت ترین منزلوں سے گزرنا ہوگا

جن میں سے تیسری منزل تک صدیوں سے کوئی نہ پہنچ سکا

امامِ بخاری پہلی تین منزلوں کی منتہا تک پہنچے لیکن چوتھی منزل-----

امامِ اعظم رضی اللّٰہ عنہ کی اس حوالے سے عظمتِ شان

حدیث معلوم ہونا چیزے دیگر اور اس کا مطلب سمجھنا چیزے دیگر

مجتہد فی المذہب کون ہو سکتا ہے؟

بڑے بڑے ائمۂ فقہا مثلِ سرخسی و طحاوی و کرخی وغیرہم کے اندر امامِ اعظم سے مخالفت کی سکت نہیں

بالجملہ موافق مخالف کوئی ذی عقل اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ مجرد صحتِ اثری صحت عملی کو مستلزم نہیں بلکہ محال ہے کہ مستلزم ہو۔ ورنہ ہنگامِ صحت متعارضین قول بالمتنافیین لازم آئے اور وہ عقلاً ناممکن تو بالیقین اقوال مذکورۂ سوال اور ان کے امثال میں صحتِ حدیث

سے صحتِ عملی اور خبر سے وہی خبر واجب العمل عندالمجتہد مراد پھر نہایت اعلیٰ بدیہات سے ہے کہ اگر کوئی حدیث مجتہد نے پائی اور براہِ تاویل خواہ دیگر وجوہ سے اُس پر عمل نہ کیا تو وہ حدیث اس کا مذہب نہیں ہوسکتی، ورنہ وہی استحالہ عقلی سامنے آئے کہ وہ صراحۃً اس کا خلاف فرما چکا تو آفتاب سے روشن تر وجہ پر ظاہر ہوا کہ کوئی حدیث بزعم خود مذہب امام کے خلاف پا کر بحکم اقوال مذکورہ امام دعوٰی کر دینا کہ مذہبِ امام اس کے مطابق ہے، دو امر پر موقوف۔

اوّلاً: یقیناً ثابت ہو کہ یہ حدیث امام کو نہ پہنچی تھی کہ بحال اطلاع مذہب اس کے خلاف ہے نہ اس کے موافق۔

ثانیا: یہ حکم کرنے والا احکام رجال ومتون وطرق احتجاج ووجوہ استنباط اور ان کے متعلقات اصولِ مذہب پر احاطہ تامہ رکھتا ہو۔ یہاں اُسے چار منزلیں سخت دشوار گزار پیش آئیں گی۔جن میں ہر ایک دوسری سے سخت تر ہے۔

منزل اوّل:

نقد رجال کہ اُن کے مراتب ثقہ وصدق وحفظ وضبط اور اُن کے بارے میں ائمہ شان کے اقوال ووجوہ طعن ومراتب توثیق، ومواضع تقدیم جرح وتعدیل وحوامل طعن ومناشی توثیق ومواضع تحامل وتساہل وتحقیق پر مطلع ہو، استخراج مرتبہ اتقان راوی بنقد روایات وضبط مخالفات واوہام وخطیات وغیرہا پر قادر ہو، اُن کے اسامی والقاب وکنی وانساب ووجوہِ مختلفہ تعبیر رواۃ خصوصاً اصحابہ تدلیس شیوخ وتعیین مبہمات ومتفق ومتفرق ومختلف مؤتلف سے ماہر ہو۔ ان کے موالید ووفیات و بلدان ورحلات ولقاء وسماعات واساتذہ وتلامذہ وطرق تحمل ووجوہ ادا وتدلیس وتسویہ وتغیر واختلاط آخذین من قبل وآخذین من بعد وسامعین حالین وغیرہا تمام امور ضروریہ کا حال اس پر ظاہر ہو۔ اُن سب کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

منزل دوم:

صحاح وسُنن ومسانید وجوامع ومعاجیم واجزاء وغیر ہا کتب حدیث میں اس کے طرقِ مختلفہ والفاظ متنوعہ پر نظرِ تام کرے کہ حدیث کہ تواتر یا شہرت یا فردیت نسبیہ یا غرابت مطلقہ یا شذوذ یا نکارت و اختلافاتِ رفع ووقف وقطع ووصل ومزید فی متصل الاسانید واضطراباتِ سند ومتن وغیرہا پر اطلاع پائے نیز اس جمع طرق و احاطہ الفاظ سے رفع ابہام ودفعِ اوہام وایضاح خفی واظہار مشکل وابانت مجمل وتعیین محتمل ہاتھ آئے۔ ولہٰذا امام ابوحاتم رازی فرماتے ہم جب تک حدیث کو ساٹھ (٦٠) وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے۔ اس کے بعد اتنا حکم کرسکتا ہے کہ حدیث شاذ یا منکر، معروف یا محفوظ، مرفوع یا موقوف، فرد یا مشہور کس مرتبہ کی ہے۔

منزل سوم:

اب علل خفیہ وغوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر صدہا سال سے **کوئی قادر نہیں۔** اگر بعد احاطۂ وجوہ اعلال تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کرکے طرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگاسکتا ہے۔ تمام حفاظِ حدیث واجلہ نقاد ناواصلان ذروہ شامخۂ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے اور خدا انصاف دے تو مدعی اجتہاد وہمسری ائمہ امجاد کو اِن منازل کے طے میں اصحابِ صحاح یا مصنفانِ اسماء الرجل کی تقلید جامد سخت بے حیائی نری بے غیرتی ہے بلکہ ان کے طور پر شرکِ جلی ہے۔ کس آیت وحدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ بخاری یا ترمذی بلکہ امام احمد وابن المدینی جس حدیث کی تصحیح یا تجریح کردیں وہ واقع میں ویسی ہی ہے۔ کون سا نص آیا کہ نقد رجال میں ذہبی وعسقلانی بلکہ نسائی وابن عدی ودار قطنی بلکہ یحیٰی قطان ویحیٰی بن معین وشعبہ وابن مہدی جو کچھ کہہ دیں وہی حقِ جلی ہے۔ جب خود احکام الٰہیہ کے پہچاننے میں ان اکابر کی تقلید نہ ٹھہری جو ان سے بدرجہا ارفع واعلیٰ واعلم

واعظم تھے۔ جن کے یہ حضرات اوران کے امثال مقلد ومتبع ہوتے جن کے درجاتِ رفیعہ امامت انہیں مسلم تھے تو ان سے کم درجہ امور میں اُن اکابر سے نہایت پست مرتبہ اشخاص کی ٹھیٹ تقلید یعنی چہ جرح وتعدیل وغیرہ جملہ امور مذکورہ جن جن میں گنجائش رائے زنی ہے محض اپنے اجتہاد سے پایہ ثبوت کو پہچایئے اوراین وآن وفلان وبہمان کا نام زبان پر نہ لایئے۔

برادران باانصاف انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابوعبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے، امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کیے گئے۔ اِن دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابوعیسٰی ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل ٹھہرے، امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری وابوذرعہ کے لوہے مانے۔

پھر چوتھی منزل تو فلکِ چہارم کی بلندی ہے جس پر نورِ اجتہاد سے آفتاب منیر ہی ہوکر رسائی ہے۔ امام ائمۃ المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری سے زیادہ ان میں کون منازل ثلثہ کے منتہٰی کو پہنچا۔ پھر جب مقام احکام ونقص وابرام میں آتے ہیں وہاں صحیح بخاری وعمدۃ القاری وغیرہا بنظر انصاف دیکھا چاہیے۔ بکری کے دودھ کا قصہ معروف مشہور ہے۔ امام عیسٰی بن ابان کے اشتغال الحدیث پھر ایک مسئلہ میں دوجگہ خطا کرنے اور تلامذہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ملازم خدمت بننے کی روایت معلوم وماثور ہے۔ ولہٰذا امام اجل سفیان بن عیینہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور امام بخاری وہ امام مسلم کے استاذ الاستاذ اوراجلہ ائمہ محدثین وفقہائے مجتہدین وتبع تابعین سے ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ارشاد فرماتے ہیں: **الحدیث مُضِلَّة الّا للفقهاء.** (ترجمہ: حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو۔)

خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **نضر اللّٰه عبدًا سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فربّ حامل فقه غیر فقیه وربّ حامل فقه**

الٰی من ھو افقہ منہ. (ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بندے کو سرسبز کرے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی اور اسے دل میں جگہ دی اور ٹھیک ٹھیک اوروں کو پہنچادی کہ بہتوں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس کے فہم وفقہ کی لیاقت نہیں رکھتے اور بہت سے اگر چہ لیاقت رکھتے ہیں مگر دوسرے ان سے زیادہ فہیم وفقیہ ہوتے ہیں۔)

فقط حدیث معلوم ہوجانا فہمِ حکم کے لیے کافی ہوتا تو اس (مذکورہ) ارشادِ اقدس کے کیا معنی تھے؟

امام ابن حجر مکی شافعی کتاب ''الخیرات الحسان'' میں فرماتے ہیں: امام محدثین سلیمان اعمش تابعی جلیل القدر سے کہ اجلۂ ائمۂ تابعین وشاگردانِ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہیں کسی نے کچھ مسائل پوچھے، اس وقت ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضر مجلس تھے، امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مسائل ہمارے امام سے پوچھے۔ امام نے فوراً جواب دیا۔ امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا: اُن حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرما دیں۔ امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: **حسبک ماحدثتک بہ فی مائۃ یوم تحدثنی بہ فی ساعۃ واحدۃ ماعلمت انک تعمل بھٰذہ الاحادیث، یا معشر الفقھاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ وانت ایّھاالرجل اخذت بکلا الطرفین.**

(ترجمہ: بس کیجیے جو حدیثیں میں نے سودن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنا رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کر دیتے ہیں۔ اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ دوافروش ہیں (یعنی دوائیں پاس ہیں مگر ان کا طریق استعمال تم مجتہدین جانتے ہو۔) اور اے ابوحنیفہ! تم نے تو فقہ و حدیث دونوں

کنارے لیے۔

اب باقی رہی منزل چہارم اور تُو نے کیا جانا کیا ہے منزل چہارم؟ سخت ترین منازل دشوارترین مراحل، جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل، اس کی قدر کون جانے۔

اس کے لیے واجب ہے کہ جمیع لغاتِ عرب وفنونِ ادب ووجوہِ تخاطب وطرق تفاہم واقسامِ نظم وصنوف معنٰی وادراک علل وتنقیح مناط واستخراجِ جامع وعرفانِ مانع وموارد تعدیہ ومواضع قصرودلائل حکم آیات واحادیث، واقاویل صحابہ وائمہ فقہ قدیم وحدیث ومواقع تعارض، واسبابِ ترجیح، ومناہج توفیق ومدارج دلیل ومعارک تاویل مسالک تخصیص، مناسک تقیید، ومشارع قیود، وشوارع مقصود وغیرہ ذلک پر اطلاع تام ووقوفِ عام ونظر غائر وذہن رفیع، وبصیرتِ ناقدہ وبصر منیع رکھتا ہو، جس کا ایک ادنیٰ اجمال امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قَدَّس سِرّہُ الباری نے فرمایا کہ

ایاکم ان تبادروا الی الانکار علی قول مجتهد او تخطئته الا بعد احاطتكم بِاَدِلَّة الشريعة كلّها و معرفتكم بجميع لغات العرب التی احتوت عليها الشريعة و معرفتكم بمعانيها و طرقها.

(ترجمہ: خبردار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اُسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا، جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغتِ عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو، جب تک ان کے معانی اُن کے راستے جان نہ لو)

اور ساتھ ہی فرمادیا:

و اَنّٰی لکم بذٰلک (ترجمہ: بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ۔)

اور شک نہیں کہ جو شخص اِن چاروں منازل کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے، جیسے مذہب مہذب حنفی میں امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما بلا شبہ

ایسے ائمہ کو اُس حکم و دعوے کا منصب حاصل ہے اور وہ اس کے باعث اتباعِ امام سے خارج نہ ہوئے کہ اگر چہ صورۃً اس جزئیہ میں خلاف کیا مگر معنًی اذنِ کلی امام پر عمل فرمایا پھر وہ بھی اگر چہ ماذون بالعمل ہوں۔ یہ جزمی دعوٰی کہ اس حدیث کا مفاد خواہی نخواہی مذہب امام ہے، نہیں کر سکتے، نہایت کار ظن ہے، ممکن کہ اِن کے مدارک' مدارکِ عالیۂ امام سے قاصر رہے ہوں۔ اگر امام پر عرض کرتے وہ قبول فرماتے تو مذہب امام ہونے پر تیقن تام وہاں بھی نہیں۔

امام ابو یوسف بایں جلالتِ شان حضور سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

ماخالفته فی شیء قطّ فتدبرته الا رأیت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الاخرة وکنت ربما ملت الٰی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح منّی۔

(ترجمہ: کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خلاف کر کے غور کیا ہو، مگر یہ کہ انہیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ وجہ نجات پایا اور بارہا ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو امام مجھ سے زیادہ حدیث صحیح کی نگاہ رکھتے تھے۔)

نیز فرمایا:

امام جب کسی قوم پر جزم فرماتے میں کوفہ کے محدثین پر دورہ کرتا کہ دیکھوں اُن کی تقویت قول میں کوئی حدیث یا اثر پاتا ہوں۔ بارہا دو تین حدیثیں میں امام کے پاس لے کر حاضر ہوتا اُن میں سے کسی کو فرماتے صحیح نہیں کسی کو فرماتے معروف نہیں۔ میں عرض کرتا حضور کو اس کی کیا خبر حالانکہ یہ تو قولِ حضور کے موافق ہیں۔ فرماتے: میں اہل کوفہ کا عالم ہوں۔

بالجملہ نابالغان رتبہ اجتہاد نہ اصلاً اس کے اہل، نہ ہرگز یہاں مراد، نہ کہ آج کل کے مدعیانِ خامکار جاہلان بےوقار کہ من وتو کا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھیں اور اساطین دین الٰہی کے اجتہاد پر کھیں۔ اسی ردالمحتار کو دیکھا ہوتا کہ انہیں امام ابن الشحنہ وعلامہ محمد بن محمد البہنسی استاد علامہ نورالدین علی قادری باقانی وعلامہ عمر بن نجیم مصری صاحبِ نہرالفائق وعلامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی صاحبِ ردمختار وغیرہم کیسے کیسے اکابر کی نسبت صریح کی کہ مخالفت مذہب درکنار، روایات مذہب میں ایک راجح بتانے کے اہل نہیں۔

ان کی بھی کیا گنتی خود اکابر اراکین مذہب اعاظم اجلّہ رفیع الرتب مثل امام کبیر خصاف وامام اجل ابوجعفر طحاوی و امام ابوالحسن کرخی و امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ سرخسی وامام فخرالاسلام بزدوی و امام فقیہ النفس قاضی خاں دامام ابوبکر رازی و امام ابوالحسن قدوری وامام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ وغیرہم اعاظم کرام **ادخلهم اللّٰه تعالٰی فی دار السلام** (اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی والے گھر میں داخل فرمائے۔) کی نسبت علامہ ابن کمال باشا رحمہ اللہ تعالیٰ سے تصریح نقل کی:

انهم لایقدرون علٰی شیء من المخالفة لا فی الاصول و لا فی الفروع.

(ترجمہ: وہ اصلاً مخالفت امام پر قدرت نہیں رکھتے، نہ اصول میں نہ فروغ میں۔)

للہ انصاف! اللہ عزوجل کے حضور جانا اور اسے منہ دکھانا ہے۔ ایک ذرا دیر منہ زوری، ہماہمی ڈھٹائی، ہٹ دھرمی کی نہیں سہی، آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور ان اکابر ائمہ عظام کے حضور اپنی لیاقت قابلیت کو دیکھے بھالے تو کہیں تحت الثرٰی تک بھی پتا چلتا ہے۔ ایمان نہ نکلے تو ان کے ادنیٰ شاگردانِ شاگرد کی شاگردی و کفش برادری کی لیاقت نہ نکلے۔ خدارا جوشکاران شیرانِ شرزہ کی جست سے باہر ہو لومڑیاں، گیدڑ راس پر ہمکنا چاہیں۔ ہاں اس کا ذکر نہیں جسے ابلیس مَرید اپنا مُرید بنائے اور اپنی تقلید سے تمام ائمہٗ امت کے

مقابل اَنَا خَیرٌ مِّنہُ (ترجمہ: میں اس سے بہتر ہوں۔) سکھائے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست وہفتم، ص:۷۰-۷۹)

افادۂ (۲۱)

صحیح احادیث کا صحاحِ ستہ میں حصر کہاں تک درست ہے؟

استناد کا صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر، جیسا کہ صاحب مأۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید وسفہ بعید ہے۔ حدیث حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔ غیر عقائد واحکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع حجت ہے۔ ہمارے ائمۂ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم کے ابجد خوانوں پر بیّن ومبرہَن ہے۔و لکن الوھابیۃ قوم یجھلون. (ترجمہ: لیکن وہابیہ نادان ہیں۔) (فتاویٰ رضویہ جلد نہم، ص:۱۵۱)

افادۂ (۲۲)

امام بخاری کی عظمتِ شان

امامِ بخاری بالواسطہ امامِ اعظم کے شاگرد

حفظِ حدیث ونقدِ رجال و تنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایہ رفیع والا، صاحبِ رتبہ بالا، مقبولِ معاصرین ومقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں ان کی کتاب بے شک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق ومتابعات وشواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجیے تو ان میں گنجائش کلام تقریباً شاید ایسی ہی ملے جیسے

مسائل ثانیہ امام اعظم میں ،اور یہ بھی بحمداللہ حنفیہ وشاگردان ابوحنیفہ وشاگردانِ شاگرد ابوحنیفہ مثل امام عبداللہ بن المبارک و امام یحیٰی بن سعید قطان وامافضیل بن عیاض وامام مسعر بن کدام وامام وکیع الجراح وامام لیث بن سعد وامام معلٰی بن منصور رازی وامام یحیٰی بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اوراُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں ،وہ امام محمد کے،وہ امام ابویوسف کے ،وہ امام ابوحنیفہ کے،رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین،مگر یہ کارِاہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہوکر دوسرے کارا جل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے ،**اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا،خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصاً امام الائمہ ابوحنیفہ کا حصّہ تھا۔** (فتاویٰ رضویہ جلد دہم،ص:۱۹۹)

افادۂ (۲۳)

انکارِ حدیث کا حکم

حدیث متواتر کے انکار پر تکفیر کی جاتی ہے خواہ متواتر باللفظ ہو یا متواتر المعنٰی اور حدیث ٹھہرا کر جوکوئی استخفاف کرے تو یہ مطلقاً کفر ہے اگر چہ حدیث آحاد بلکہ ضعیف بلکہ فی الواقع اس سے بھی نازل ہو۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہاردہم،ص:۲۸۰)

افادۂ (۲٤)

منقطع و مرسل کے شافعی احکام

امام شافعی کے نزدیک منقطع مردود ہے۔(نیز فرماتے ہیں)مرسل کہ امام شافعی کے یہاں مہمل ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہاردہم،ص:۵۰۳)

افادۂ (۲۵)

مرسل ومنقطع و مقطوع و معضل عند الاحناف مقبول بشرطے کہ ثقہ روایت کرے

مضطرِب و منکر بھی بابِ فضائل میں مقبول

اقول: امام ابو یوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا، اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو اور اس کے اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسل و منقطع ومقطوع و معضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ہفت دہم، ص:۴۶۶-۴۶۷)

(حدیث منقطع کا حکم) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزمِ وضع نہیں، ہمارے ائمۂ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت و حجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۴۸)

(حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں) انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علماء فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ در بارۂ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ مدرج بھی موضوع سے جُدا قسم ہے، حالانکہ اُس میں تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۵۰)

نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائلِ اعمال میں مقبول ہے، باآنکہ اُس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر

ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۴۸۷)

افادۂ (۲۶)

استدلالِ مجتہد دلیلِ صحتِ حدیث ہے

اقول: کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لیے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ہفت دہم،ص:۴۶۸)

افادۂ (۲۷)

صحیح احادیث کا استیعاب نہ ہوا اور نہ کوئی اس کا دعوے دار

لاکھوں حدیثیں اپنے سینوں میں لے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ امام مسلم کو تین لاکھ، پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔ امام احمد کو دس لاکھ محفوظ تھیں مسند میں فقط تیس ہزار ہیں۔ خود شیخین وغیرہما ائمہ سے منقول کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجیے تو لازم آئے کہ افراد بخاری، امام مسلم اور افراد مسلم، امام بخاری اور صحاح افراد سنن اربعہ دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھائے تو یوں ہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنھیں امام نسائی نے مجتبیٰ میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں، وھو کما تری. (ترجمہ: یہ وہ چیز ہے جسے تم جانتے ہو۔)

(فتاویٰ رضویہ جلد بست و دوم،ص:۲۹۴)

افادۂ (۲۸)

ہزاروں کتبِ احادیث کا کوئی وجود نہیں

جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمائیے کتنی باقی ہیں، صدہا کتابیں کہ ائمہ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہوگئیں اور یہ آج سے نہیں ابتداء ہی سے ہے۔ امام مالک کے زمانے میں اسی (۸۰) علماء نے مؤطا لکھیں پھر سوائے مؤطائے مالک ومؤطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتا باقی ہے۔ امام مسلم کے زمانے کو ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک کے زمانے سے ایسا کتنا فاصلہ تھا۔ پھر بعض تصانیف مسلم کی نسبت امام ابن حجر نے حاکم سے نقل کیا کہ معدوم ہیں وعلی ہذہ القیاس صدہا بلکہ ہزارہا تصانیف ائمہ کا کوئی نشان نہیں دے سکتا، مگر اتنا کہ تذکروں تاریخوں میں نام لکھا رہ گیا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست ودوم، ص:۲۹۷)

افادۂ (۲۹)

امام بخاری و امام مسلم تو کیا حضراتِ صحابہ بلکہ حضرات خلفائے راشدین بھی دعوائے استیعاب صحاح نہیں کر سکتے

کتبِ مدونۂ احادیث میں اگر امامِ اعظم کی مؤید المذہب احادیث نہ ملیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

ممکن کہ امامِ اعظم و دیگر ائمہ کو جو احادیثِ صحیحہ ملیں وہ سلامتیِ صحت کے ساتھ امامِ بخاری و مسلم کو نہ ملیں

اصحابِ جرح و تعدیل کو احنافِ عظام سے تعنت و تعصب ہے

ائمہ اربعہ خصوصا امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب پر اگر ان کتب میں حدیثیں نہ ملیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے مذہب پر واقع میں حدیثیں نہیں بلکہ اگر بخاری ومسلم اوران کے امثال تصریح بھی کردیں کہ فلاں مذہب امام ابوحنیفہ یا امام مالک پر کوئی حدیث نہیں تو بھی منصف ذی عقل کے نزدیک ان کے پاک مبارک مذہبوں میں اصلاً قادح نہیں ہوسکتا۔آخر بخاری ومسلم کاعلم محیط نہ تھا،کیا جو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور صحابہ نے امت مرحومہ تک پہنچایا اس سب کاعلم بخاری ومسلم کوحاصل تھا۔خود اجلہ صحابہ کرام جوگاہ بگاہ سفر وحضر میں دائمًا بارگاہ عرش جاہ حضور رسالت پناہ علیہ وعلیھم صلوات اللّٰہ میں حاضر رہتے یہاں تک کہ حضرات خلفائے اربعہ وحضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہ دعوٰی نہیں

کر سکتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال پر ہمیں اطلاع ہے۔

کتب احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی خفی رہیں ''تا بدیگرے چہ رسد'' (دوسروں تک کیا پہنچے۔) پھر بخاری ومسلم وغیرہما کیونکر علم کل کا دعوی کر سکتے ہیں۔ اگر وہ نفی کریں بھی تو اس کا محصل صرف اپنے علم کی نفی ہوگا یعنی ہمیں نہیں معلوم پھر اس سے واقع میں حدیث نہ ہونا درکنار، یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ابوحنیفہ ومالک کو بھی اپنے مذہب پر حدیث نہ معلوم ہو، ان کا زمانہ زمانہ اقدس سے قریب تر تھا اور اس وقت تک زمانہ خیر القرون تھا، بوجہ قلت کذب وکثرت خیر سندیں نظیف اور وسائط کم تھے۔ یہ ممکن کہ جو حدیثیں ابوحنیفہ ومالک کے پاس تھیں بخاری ومسلم کو نہ پہنچیں، ممکن کہ جو حدیثیں ان کے پاس بسند صحیح تھیں ان تک بذریعہ روایت ضعاف پہنچیں۔ پھر کیونکر ان کا نہ جاننا ان کے نہ جاننے پر قاضی ہوسکتا ہے۔ امام اجل ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جنھیں محدثین اہل جرح وتعدیل بھی باآنکہ ان میں بہت کو حضرات حنفیہ کرام سے ایک تعنت ہے تصریحا صاحب حدیث منصف فی الحدیث واَتبعُ القوم للحدیث لکھتے ہیں بلکہ اپنے زعم میں امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی زیادہ محدث وکثیر الحدیث جانتے ہیں امام ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظ حدیث میں شمار اور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان الامام العلامۃ فقیہ العراقین ذکر کیا) یہ ارشاد فرماتے ہیں: بارہا ہوتا کہ امام ایک قول ارشاد فرماتے کہ میری نظر میں حدیث کے خلاف ہوتا میں جانب حدیث جھکتا، بعد تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے اس حدیث سے فرمایا ہے جو میرے خواب میں بھی نہ تھی۔

امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں:

عن ابی یوسف ما رأیت احدا اعلم بتفسیر الحدیث و مواضع النکت التی فیہ من الفقۃ من ابی حنیفۃ و قال ایضا ما خالفتہ فی شیء قط فتدبرتہ الا

رایت مذهبه الذی ذهب الیه انجٰی فی الاخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر بالحدیث الصحیح منی وقال کان اذا صمم علی قوله درت علی مشائخ الکوفة هل اجد فی تقویة قوله حدیثا او اثرا فربما وجدت الحدیثین و الثلاثة فاتیته بها فمنها مایقول فیه هذا غیر صحیح او غیر معروف فاقول له وما علمک بذٰلک مع انه یوافق قولک فیقول انا عالم بعلم اهل الکوفة۔

(ترجمہ: حضرت ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے احادیث کی تشریح اور فقہ کی نکتہ آفرینی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ جانکار شخص نہیں دیکھا نیز انھوں نے فرمایا میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں ان سے مخالفت کی پھر میں نے اس میں غور وخوض کیا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ آخرت میں نجات دینے والا وہی مذہب ہے جس کی طرف امام ابوحنیفہ گئے ہیں۔ مجھ سے زیادہ حدیثوں پر ان کی نظر تھی۔ نیز فرمایا جب وہ کسی بات پر اڑ جاتے ہیں تو میں کوفہ کے مشائخ کے پاس اس غرض سے حاضر ہوتا کہ اس قول کی تقویت میں مجھے کوئی حدیث یا اثر ملے تو بسا اوقات مجھے دو تین حدیثیں مل جاتیں، تو میں ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتا۔ آپ فرماتے: اس میں یہ فلاں حدیث صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں عرض کرتا حضور! یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ یہ حدیثیں تو آپ کے قول کی تائید میں ہیں۔ تو فرماتے کوفہ والوں کے علم ہی سے تو مجھے علم ہوا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست و دوم، ص:۲۹۶)

افادہ (۳۰)

ہر مطلب کے لئے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہ کئے

جان برادر! بارہا واقع ہوگا کہ اس مسئلہ کی حدیث انھیں کتابوں میں ملے گی اور آپ کی نظر اس پر نہ پہنچے گی کہ اول تو ہر مطلب کے لیے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہ

کیے اور جس کے لیے وضع کیے ان کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوں گی جو بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں لکھ آئے یا لکھیں گے اور یہاں بخیال تکرار ان کے اعادہ واثبات سے باز رہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ودوم، ص:۲۹۸)

افادۂ (۳۱)

جمہور اور احناف کے یہاں عنعنہ اصلاً ساقط اور مراسیل مقبول

عَنعَنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار ومعتمد میں مردود ونامستند ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۲۴۵)

ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست وہشتم، ص:۸۱)

میں کہتا ہوں علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیّب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحاق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحییٰ بن کثیر، اسماعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمان تیمی، امام مالک ومحمد اور سفیانین، کیا یہ سب حضرات اس لیے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رد کردی جائیں؟ مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں صحابۂ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقا مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقاً مقبول رکھتے ہیں۔ ہاں ظاہر یہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں

کرتے۔ (فتاوی رضویہ جلد بست وہشتم،ص:۸۳)

افادۂ (۳۲)

التزامِ تصحیح یا عدمِ التزامِ تصحیح مستلزمِ صحت یا عدمِ صحت نہیں

یہ کہنا فضول کہ جہاں التزامِ صحاح نہیں وہ قابلِ احتجاج نہیں

اقول: نہ التزام تصحیح صحت کومستلزم، نہ عدم التزام اس کا مزاحم۔ اہل التزام کی تصانیف میں بہت روایات باطلہ ہوتی ہیں اور التزام نہ کرنے والوں کی تصنیفوں میں اکثر احادیث صحیحہ، آخر مستدرک حاکم کا حال نہ سنا جنہوں نے صحت کیا معنی، التزام شرط شیخین کا ادعاء کیا اور بقدر چہارم احادیث ضعیفہ ومنکرہ وباطلہ وموضوعہ بھردیں۔

اسی طرح ابن حبان کا یہ دعوی کتاب التقاسیم والانواع میں ٹھیک نہ اترا اور سنن ابی داؤد جس میں التزام صحاح ہرگز نہیں، صحاح ستہ میں معدود اور ان کا مسکوت عنہ مقبول ومحمود، یہ سب امور خادم حدیث پر جلی وروشن ہیں۔

عزیزا! مدار کار اسناد پر ہے، التزام وعدم التزام کوئی چیز نہیں، یہ دولت تو روز اول بخاری کے حصہ میں تھی کہ احادیث مسندہ میں حق سبحانہٗ نے ان کا قصد پورا کیا، پھر ایسی فضول بات کے ذکر سے کیا حاصل؟ کیا جس کتاب میں التزام صحاح نہیں اس سے احتجاج مطلقاً مباح نہیں؟ ایسا ہو تو بخاری ومسلم وچند کتب دیگر کے سوا سنن ابی داود وابن ماجہ ودارمی وتصانیف ابی بکر بن ابی شیبہ وعبدالرزاق ودارقطنی وطبرانی وبیہقی وبزار وابی یعلیٰ وغیرہا معظم کتب حدیث جن پر گویا مدار شرع وسنت ہے محض بے کار ہو جائیں۔ **لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔** (فتاوی رضویہ جلد ۱۳،ص:۴۴۳-۴۴۷)

افادۂ (۳۳)

احادیث سے ثابت امور کی تین قسمیں

(حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں)

(۱) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجہ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے آحاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔(عقائد میں حدیث آحاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں) یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار۔

(۲) (دربارۂ احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے۔ جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(۳) (فضائل ومناقب میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کام کرکے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشی، جیسے بعض جاہل بول اُٹھے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ یہ اُن کی نادانی ہے۔ علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ عزیز و مسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم، ص: ۴۷۷-۴۷۸)

افادۂ (۳۴)

اسلافِ کرام کی تنقیص کرنے والی حکایات اور افسانے من گڑھت اور نا قابلِ اعتبار

اقول: غالباً عزیزوں کے کان ایسی باتوں سے تو آشنا ہوئے مگر ائمہ عالیشان کے مکالمات اور جوابی کلمات سے کچھ نہ سنا اور بے راہ گھوڑا دوڑایا، کسی دانا بینا سے پوچھ، دراصل بات یہ ہے کہ قصہ گو واعظوں اور جاہل مورخوں نے مجمع بڑھانے اور فساد پھیلانے کے لیے اپنی کتابوں میں بے سروپا حکایات اور فتنہ انگیز افسانے درج کردئے، اصول شکنی اور منقولات کی خلاف ورزی سے کچھ خوف نہ کیا، کبھی اوریا کا افسانہ، زلیخا کی داستان، زہرہ کا قصہ اور شجرہ کا تذکرہ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ معاذ اللہ عصمت انبیاء کرام ودیگر معصومین کو عیب آلود کرتے ہیں اور کبھی جنگ جمل کا حادثہ، صفین کا واقعہ، صحابہ کرام کا اختلاف اور امہات المومنین کا باہمی مکالمہ ایسے طریقہ سے نمایاں کرتے ہیں کہ معاذ اللہ ان نفوس قدسیہ کے مقام واجب الاحترام کی تنقیص کا پہلو نمایاں ہوتا ہے، اسی وجہ سے ائمۂ دین، جن کو اللہ تعالیٰ نے سنن کی حمایت ونگرانی اور فساد وفتن کے محو وسرکوبی کا عظیم منصب عطا فرمایا ہے، مقام تفصیل میں ان ناشائستہ اقوال کا ضعف وعیب ثابت کرتے ہیں اور محل اجمال میں اصول اور منقولات صحیحہ کو مضبوط پکڑنے اور غیر ذمہ دار نکتہ چینوں کی من گھڑت حکایات سے اجتناب کا حکم فرماتے ہیں کہ **دع ما یریبک الی ما یریبک** (جو تیرے کھٹکے اس کو چھوڑ دے اور جو نہ کھٹکے اس کو اختیار کرلے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ص:۶۲۷-۶۳۷)

متفرقات

☆ حدیث متواتر کے مقابل آحاد سے استناد سخت جہالت اور اجماع کے رد میں بعض اشارات سے اپنے استنباط پر اعتماد اشد ضلالت۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست وہفتم، ص:۵۴)

☆ علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم، ص:۶۵۵)

☆ واضح ہوا کہ ارشادات عالیہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین مقصدِ احادیث میں مذکور ہوئے کہ حدیث اصطلاحِ محدثین میں انھیں شامل، مع ہٰذا امور قبور واحوالِ ارواح مفارقہ میں رائے کو دخل نہیں تو یہاں موقوف بھی مرفوع میں داخل۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم، ص:۷۴۲ - ۷۴۳)

☆ سلسلۂ سند میں اگر یکے از دیگرے ہزار تک عدد رواۃ پہنچے تو وہ ایک ہی راوی کی روایت ہے اس میں تعدد نہیں ہوسکتا جب تک مرتبہ واحدہ میں متعدد رواۃ نہ ہوں ورنہ سند عالی سے نازل اشرف ہو خصوصا ان کے نزدیک جو کثرت رواۃ سے ترجیح مانتے ہیں حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ودوم، ص:۶۱۵)

☆ لطیف تر یہ کہ ان سب رواۃ نے یہ روایت کی کہ آں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا بے علم بے چارہ "قولھم" کے معنی بھی نہیں جانتا اور ناحق وناروا آثار موقوفہ ومقطوعہ کہ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھہرائے دیتا ہے۔ ابن عباس صحابی ہیں اور مجاہد وبکر وطلق تابعین یہ آثار خود انھیں حضرات کے اپنے قول ہیں نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست ودوم، ص:۶۱۵)

☆ اقول: ائمۂ ناقدین نے امام ترمذی پراس بارے میں انتقادات کیے ہیں اور وہ قریب قریب ان لوگوں میں ہیں جو تصحیح و تحسین میں تساہل رکھتے۔ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں: وَ لھٰذا لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی. (ترجمہ: اسی لیے ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ودوم، ص:۲۸۸)

☆ امام ہمام مرجع ائمۃ الحدیث کی تضعیف کے مقابل امام ترمذی کی تحسین کب مقبول ہوسکتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ودوم، ص:۲۸۹)

☆ اگر صحیح سے مقابل حسن مراد تو ہرگز حجت اس میں منحصر نہیں، صحیح لذاتہٖ و صحیح لغیرہٖ و حسن لذاتہٖ و حسن لغیرہٖ سب حجت اور خود مثبت احکام ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ونہم ص:۱۹۰)

خاص احادیثِ ضعاف کے بارے میں

رضوی ارشادات وتوضیحات وتحقیقات

افادہ (۱)

ضعیف احادیث فضائل میں بالاجماع معتبر و مقبول

اقول: یہ چاروں حدیثیں (صفحہ نمبر ۲۳۹ و ۲۴۰ پر مذکور ہیں) اگر چہ ضعیف ہیں مگر تعددِ طرق سے اس کا انجبار ہوتا ہے مع ہٰذا حلیہ میں فرمایا کہ جب حدیث ضعیف بالاجماع فضائل میں مقبول ہے تو اباحت میں بدرجہ اولیٰ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص: ۲۴۰)

مُلّا جی! تم نے تو علمِ حدیث کی الف بے بھی نہ پڑھی اور ادعائے اجتہاد کی یوں بے وقت چڑھی، ذرا کسی پڑھے لکھے سے ضعیف و متشیع وصاحبِ افراد اور متروک الحدیث میں فرق سیکھو، متشیع وصاحبِ افراد ہونا تو اصلاً موجبِ ضعف نہیں، صحیحین دیکھئے ان کے رواۃ میں کتنے متشیع موجود ہیں (مثل ابان بن یزید العطار، یزید بن ابی انیسۃ، عبدالرحمٰن بن غزوان وغیرہم) اور لــه افــراد والوں کی کیا گنتی جبکہ ہم حواشی فصل اول میں بکثرت لــه اوهــام، يهــم، ربما وهم، يخطیء، يخطیء كثيرا، كثير الخطاء، كثير الغلط وغیرہا والے ذکر کر آئے، رہا ضعیف اُس میں اور متروک میں بھی زمین وآسمان کا بل ہے۔ ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول ومطلوب ہے بخلاف متروک۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص: ۳۰۳)

مقام مقامِ فضائل ہے اور اس میں ضعاف بالاجماع مقبول۔

(فتاویٰ رضویہ جلد بست ونہم ص: ۱۹۰)

اصطلاح محدثین کی صحت یہاں درکار نہیں، فضائلِ اعمال میں ضعاف بالاجماع

مقبول ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد بست ونہم ص:۲۳۵)

افادہ (۲)

حدیثِ ضعیف احکام کے باب میں حجت نہیں

یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں کہ حدیثِ ضعیف در بارہ احکام حجت نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ رضویہ جلد نہم، ص:۵۱۳)

افادہ (۳)

بخاری و مسلم کے بعض ضعیف رواۃ

بعض ضعفا رجال شیخین۔(مثل: اسید بن زید، اسباط ابوالیسع، عبدالکریم بن ابی المخار، اشعث بن سوار، زمعة بن صالح، محمد بن یزید الرفاعی، محمد بن عبدالرحمٰن مولی بنی زهرة، احمد بن یزید الحرانی، ابی بن عباس وغیرهم) تقریب میں کہا کہ پہلے پانچ ضعیف ہیں، چھٹا بھی خاص قوی نہیں ہے، ساتواں مجہول ہے، آٹھویں کو ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے، نویں میں بھی ضعف ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۳۰۴)

افادہ (٤)

احادیثِ ضعاف کس طرح تقویت پاتی ہیں؟

(تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوّت پاتی بلکہ حسن ہو جاتی ہے) حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدّت وقوّت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجّت ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۷۲)

(حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدد طُرق سے حسن ہوجاتی ہے اور وہ جابر و منجبر ہونے کے صالح ہیں) جہالت راوی بلکہ ابہام بھی اُنہیں کم درجہ کے ضعفوں سے ہے جو تعدد طرق سے منجبر ہوجاتے ہیں اور حدیث کو رتبہ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے، یہ حدیثیں جابر و منجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۷۴)

(حصولِ قوت کو صرف دوسندوں سے آنا کافی ہے) حصولِ قوّت کے لیے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو بھی مل کر قوت پا جاتے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۷۵)

(اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۷۵)

افادہ (۵)

راوی کی جہالت کی خرابی کس قدر ہوتی ہے؟

(جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت ومانع حجیت بھی ہے یا نہیں، تفصیل مقام یہ کہ (مجہول کی اقسام اوران کے احکام)

مجہول کی تین قسمیں ہیں:

اول مستور، جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

دوم مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

سوم مجہول الحال، جس کی عدالت ظاہری و باطنی کچھ ثابت نہیں۔

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ اور دو قسم باقی کو بعض اکابر حجّت جانتے جمہور مورثِ ضعف مانتے ہیں۔ بہرحال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نخواہی باطل ومجعول ہو، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فوراً ارد وابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۴۳-۴۴۵)

خلاصہ یہ کہ سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلیٰ ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ۔ امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۴۰)

افادہ (۶)

ابہام، ضعفِ راویان اور قبولِ تلقینِ غیر کے احکام

اسبابِ طعن دس ہیں

(جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں) خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھا کہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک شخص تو معین تھا کہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل (مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا بعض اصحابنا (ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی صرف مورثِ ضعف ہے نہ کہ موجبِ وضع۔ (تعددِ طرق سے مبہم کا جبر نقصان ہوتا ہے) ولہٰذا تصریح فرمائی کہ حدیث مبہم کا طرق دیگر سے جبر نقصان ہوجاتا ہے۔ (حدیث مبہم دوسری حدیث کی مقوی ہوسکتی ہے) بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو

قوّت دینے کی لیاقت رکھتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۵۲)

(ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے) بھلا جہالت وابہام تو عدمِ علم عدالت ہے اور بداہت عقل شاہد کہ علم عدم، عدم علم سے زائد، مجہول ومبہم کا کیا معلوم، شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو اور جس پر جرح ثابت، احتمال ساقط۔ ولہٰذا محدثین دربارۂ مجہول رَد وقبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے رَد پر متفق ہُوئے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۵۳)

(ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں) پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسام جرح میں جن کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدرجہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں، مثلاً راوی کی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے یعنی دُوسرا جو بتادے کہ تُو نے یہ سُنا تھا وہی مان لے، پر ظاہر کہ یہ شدّتِ غفلت سے ناشی اور غفلت کا طعن فسق سے بھی بدتر اور جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے۔

امام الشان نے نخبۃ الفکر میں اسباب طعن کی دس قسمیں فرمائیں:

(۱) کذب: کہ معاذ اللہ قصداً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر افتراء کرے۔

(۲) تہمت کذب: کہ جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالف قواعدِ دینیہ ہو یا اپنے کلام میں جھُوٹ کا عادی ہو۔

(۳) کثرت غلط

(۴) غفلت

(۵) فسق

(۶) وہم

(۷) مخالفتِ ثقات

(۸) جہالت

(۹) بدعت

(۱۰) سُوءِ حفظ

اورتصریح فرمائی کہ ہر پہلا دوسرے سے سخت تر ہے۔ پھر علماء فرماتے ہیں ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۴۵۴)

(منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں) یوں ہی منکر الحدیث، اگر چہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسماعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرما چکے کہ میں جسے منکر الحدیث کہوں اُس سے روایت حلال نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۴۵۵)

(متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف متّہم بالوضع یا کذاب دجال کا مرتبہ ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۴۵۶)

سبحان اللہ! جب انتہا درجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی، تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہہ دینا کیسی جہالت اور عدل وعقل سے انقطاع کی حالت ہے۔ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون.

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۴۵۹)

افادہ (۷)

بابِ فضائل میں ضعاف پر عمل مستحب

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیث ضعیف ثبوت استحباب کے لیے بس ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۴۷۷-۴۸۱)

افادہ (۸)

حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا خود احادیث سے ثابت

(خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے)

جان برادر! اگر چشم بینا اور گوش شنوا ہے تو تصریحاتِ علما درکنار خود حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ ارشاد فرماتی آئیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے اور تحقیق صحت وجودت سند میں تعمق وتدقق راہ نہ پائے **ولکن الوھابیۃ قوم یعتدون**۔ بگوشِ ہوش سُنیے اور الفاظِ احادیث پر غور کرتے جایئے، حسن بن عرفہ اپنے جزو حدیثی اور ابو الشیخ مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دارقطنی اور موہبی کتاب فضل العلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کامل جحدری اپنے نسخہ میں اور عبداللہ بن محمد بغوی اُن کے طریق سے اور ابن حبان اور ابوعمر بن عبدالبرکات کتاب العلم اور ابواحمد ابن عدی کامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں:

من بلغه عن اللّٰه عزو جل شیء فیه فضیلة فاخذ به ایمانا به و رجاء ثوابه اعطاه اللّٰه تعالٰی ذلک وان لم یکن کذلک۔

(ترجمہ: جسے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگر چہ خبر ٹھیک نہ ہو۔) (فتاویٰ رضویہ، جلد پنجم ص:۴۸۶)

افادہ (۹)

فضائل و اعمالِ خیر کے حوالہ سے ضعاف کاقبول کرنا عقل کے بھی موافق

(عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے)

اقول و باللّٰہ التوفیق: عقل اگر سلیم ہوتو ان نصوص ونقول کے علاوہ وہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اوراس کا ضعف مغتفر کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بطلان پر یقین تونہیں فان الکذوب قد یصدق (بڑاجھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث ٹھیک ہی روایت کی ہو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ،ص:۴۸۶-۴۸۹)

افادہ (۱۰)

اولیائے کرام کے کشف سے نا مقبول مقبول اور ضعیف معتمد ہو جاتی ہے

اقول: (احادیث اولیائے کرام کے متعلق نفیس فائدہ) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف ونامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنا اللّٰہ تعالٰی باسرارھم الجلیلۃ و نور قلوبنا بانوارھم الجمیلۃ انہیں مقبول ومعتمد بناتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اوران کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علما اپنے زبر ودفاتر میں کہیں نہ پاتے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ،ص:۴۹۱)

افادہ (۱۱)

حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ احتیاط ہو

مقاصد شرع کا عارف اور کلماتِ علما کا واقف جب قبول ضعیف فی الفضائل کے دلائل مذکورہ عبارات سابقہ فتح المبین امام ابن حجر مکی وانموذج العلوم محقق دوانی وقوت القلوب امام مکی رحمہم اللہ تعالیٰ و نیز تقریر فقیر مذکور افادہ سابقہ پر نظر صحیح کرے گا ان انوار متجلیہ کے پرتو سے بطور حدس بے تکلّف اُس کے آئینہ دل میں مرتسم ہوگا کہ کچھ فضائل اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اُس پر عمل میں رنگ احتیاط ونفع بے ضرر کی ضرورت نظر آئے گی بلاشبہ قبول کی جائے گی۔ جانب فعل میں اگر اس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانب ترک میں تنزع وتورع کی طرف بلائے گا کہ آخر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا: کیف و قد قیل۔ (کیوں کر نہ مانے گا حالاں کہ کہا تو گیا۔) رواہ البخاری عن عقبة بن الحارث النوفلی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص: ۴۹۴-۴۹۵)

افادہ (۱۲)

حدیث ضعیف پر عمل کے لیے خاص اُس باب میں کسی صحیح حدیث کا آنا ہرگز ضروری نہیں

بذریعۂ حدیث ضعیف کسی فعل کے لیے محلِ فضائل میں استحباب یا موضع احتیاط میں حکم تنزہ ثابت کرنے کے لیے زنہار زنہار اصلاً اس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعل معین کے باب میں کوئی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقیناً قطعاً صرف ضعیف ہی کاوُرود ان احکام استحباب وتنزہ کے لیے ذریعہ کافیہ ہے۔　(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص: ۵۰۱)

امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کو فرماتے ہیں: اگر میں اس بات کا ارادہ کرتا کہ میں ان ہی احادیث کی روایت پر اکتفا کروں گا جو میرے ہاں صحیح ہیں تو پھر اس مسند میں بہت کم احادیث روایت کرتا، مگر اے میرے بیٹے! تو روایتِ حدیث میں میرے طریقے سے آگاہ ہے کہ میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا مگر جب اس باب میں مجھے کوئی ایسی شے مل جائے جو اسے رَد کردے۔ یہ فتح المغیث میں مذکور ہے۔

باقی رہیں محدثین کی تصنیفات تو اگر آپ امثال الکتب بخاری و مسلم اور ترمذی تینوں کتابوں سے تجاوز کریں جنھوں نے صحت و بیان کا التزام کررکھا ہے تو آپ اکثر مسانید، معاجیم، سنن، جوامع اور اجزا کے ہر باب میں ہر قسم کی احادیث بغیر بیان کے پائیں گے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۱۳)

افادہ (۱۳)

احکام میں ضعاف کے مقبول ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں حجت مانا جائے

(ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا دربارۂ احکام اسے حجت بنانا نہیں) جس نے افادات سابقہ کو نظرِ غائر و قلب حاضر سے دیکھا، سمجھا اُس پر بے حاجت بیان ظاہر و عیاں ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائلِ اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط میں کراہت تنزیہ یا امر مباح کی تائید اباحت پر استناد کرنا اُسے احکام میں حجت بنانا اور حلال وحرام کا مثبت ٹھہرانا نہیں کہ اباحت تو خود بحکم اصالت ثابت اور استحباب تنزہ قواعد قطعیہ شرعیہ وارشاد اقدس ''کیف و قد قیل'' وغیرہ احادیث صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقاً زیور گوش سامعان ہُوئی، حدیث ضعیف اس نظر سے کہ ضعف سند مستلزم غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف امید واحتیاط پر باعث ہُوئی، آگے حکمِ استحباب وکراہت اُن قواعد وصحاح

نے افادہ فرمایا، اگر شرع مطہر نے جلب مصالح وسلب مفاسد میں احتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہرگز ان مواقع میں احکام مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیت جو کچھ ثابت کی دلائل صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیث ضعیف سے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۲۱-۵۲۲)

افادہ (۱٤)

کسی کو کسی پر فضیلت دینے کے لیے ضعاف نا قابلِ اعتبار

(فضیلت وافضلیت میں فرق ہے در بارۂ تفضیل حدیث ضعیف ہرگز مقبول نہیں)

فضیلت وافضلیت میں زمین آسمان کا فرق ہے وہ اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں بالاجماع مردود ونامقبول۔

اقول: جس نے قبول ضعاف فی الفضائل کا منشا کہ افاداتِ سابقہ میں روشن بیانوں سے گزرا ذہن نشین کرلیا ہے وہ اس فرق کو بنگاہِ اولین سمجھ سکتا ہے قبول ضعاف صرف محل نفع بے ضرر میں ہے جہاں اُن کے ماننے سے کسی تحلیل یا تحریم یا اضاعتِ حق غیر غرض مخالفت شرع کا بوجہِ من الاُجوہ اندیشہ نہ ہو، فضائل رجال مثل فضائل اعمال ایسے ہی ہیں، جن بندگانِ خدا کا فضل تفصیلی خواہ صرف اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اُن کی کوئی منقبت خاصہ جسے صحاح وثوابت سے معارضت نہ ہو اگر حدیث ضعیف میں آئے اُس کا قبول تو آپ ہی ظاہر کہ اُن کا فضل تو خود صحاح سے ثابت، یہ ضعیف اُسے مانے ہی ہوئے مسئلہ میں تو فائدہ زائدہ عطا کرے گی اور اگر تنہا ضعیف ہی فضل میں آئے اور کسی صحیح کی مخالفت نہ ہو وہ بھی مقبول ہوگی کہ صحاح میں تائید نہ سہی خلاف بھی تو نہیں بخلاف افضلیت کے کہ اس کے معنی ایک کو دوسرے سے عنداللہ بہتر وافضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا اور سول

جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے خوب ثابت ومحقق ہوجائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگادینے میں محتمل کہ عنداللہ امر بالعکس ہوتو افضل کومفضول بنایا، یہ تصریح تنقیص شان ہے اور وہ حرام۔تو مفسدہ تحلیل حرام وتضیع حق غیر دونوں درپیش کہ افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔ یہ اس صورت میں تھا کہ دلائل شرعیہ سے ایک کی افضلیت معلوم نہ ہو۔ پھر وہاں کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائدِ حقّہ میں ایک جانب کی تفصیلی محقق ہو اور اس کے خلاف احادیث مقام وضعاف سے استناد کیا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۵۸۰-۵۸۱)

افادہ (۱۵)

فضائل سے مراد محض اجر و ثواب نہیں بلکہ اعمالِ خیر بھی ہیں

(فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ حسنہ ہیں، نہ صرف ثوابِ اعمال) فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ فضائل ہیں یعنی وہ اعمال کہ بہتر و مستحسن ہیں نہ خاص ثواب اعمال، یہاں سے خیالات باطلہ گنگوہیہ کی تفضیح کامل ہوتی ہے وللہ الحمد۔

(حدیث ضعیف سے سنیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں) نہ صرف استحباب بلکہ سنّیت بھی حدیث ضعیف سے ثابت ہوسکتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم،ص:۶۰۰)

افادہ (۱٦)

فقہاے کرام کے تجربے نیز ان کا استعمال بھی تقویت کا باعث

(ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہوتو صرف تجربہ سند کافی ہے)

اقول: بالفرض اگر ایسی جگہ ضعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہوئی وہ علما وصلحا کے تجربے میں آ چکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو

سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذب واقعی کو مستلزم نہ تھا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۵۱)

(بالفرض اگر کتب میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلاسند مذکور ہونا ہی بس ہے) اقول: بھلایاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلاسند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں اگرچہ طبقۂ رابعہ وغیرہا کسی طبقۂ حدیث میں اُس کا نام نہ نشان نہ ہو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۵۵)

افادہ (۱۷)

سِیَر و مغازی میں بھی ضعاف مقبول

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم (سیر و مغازی و مناقب) میں صحاح در کنار ضعاف بھی مقبول، سیرت انسان العیون میں ہے:

لا یخفی ان السیر تجمع الصحیح و السقیم، و الضعیف و البلاغ، والمرسل والمنقطع، والمعضل دون الموضوع، و قد قال الامام احمد بن حنبل وغیرہ من الائمۃ، اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا۔

(ترجمہ: مخفی نہیں کہ کتب سیر میں موضوع چھوڑ کر صحیح، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل، منقطع، معضل ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔ امام احمد وغیرہ ائمہ نے فرمایا ہے: جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں۔) (فتاویٰ رضویہ جلد نہم، ص:۶۵۴-۶۵۵)

افادہ (۱۸)

تلقی علما بالقبول حاصل ہو جائے تو سند کی حاجت نہیں

یہ حدیث (حدیثِ جابر) امام بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں بنحوہٖ روایت کی، اجلۂ ائمہ دین مثل امام قسطلانی مواہب لدنیہ اور امام ابن حجر مکی افضل القرٰی اور علامہ فاسی مطالع المسرات اور علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ محقق دہلوی مدارج وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل واعتماد فرماتے ہیں، بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلا شبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شئے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سی ام ص:۶۵۹)

باجماع علماء در بارۂ فضائل صحت مصطلحہ محدثین کی حاجت نہیں، مع ہذا علامہ عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔ علاوہ بریں یہ معنٰی قدیماً وحدیثاً تصانیف وکلمات ائمہ وعلماء واولیاء وعرفاء میں مذکور ومشہور وملقّٰی بالقبول رہنے پر خود صحت حدیث کی دلیل کافی ہے:

فان الحدیث یتقوی بتلقی الائمة بالقبول کما اشار الیه الامام الترمذی فی جامعه و صرح به علمائنا فی الاصول.

(ترجمہ: اس لیے کہ حدیث علماء کی طرف سے تلقی بالقبول پا کر قوی ہو جاتی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ہمارے علماء نے اصول میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔) (فتاویٰ رضویہ جلد سی ام ص:۶۶۱)

علماء کی تلقی بالقبول کو ایراث قوت میں اثر عجیب ہے کہ وہ ہر طرح ہم سے اعرف

واعلم تھے، ہماری ان کی کوزہ ومحیط کی بھی نسبت ٹھیک نہیں، وہ سمائے علوم کے بدر منیر اور ہم عامی انہیں کی روشنیوں سے مستنیر، جب وہی ایک امر کو سلفا وخلفا مقبول رکھیں اور اپنی تصانیف اس کے ذکر سے موشح کریں تو ہمیں کیا جائے انکار ہے۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱س ام ص:۶۴۰)

افادہ (۱۹)

مرسل و معضل و منقطع بھی بابِ فضائل میں معتبر و معتمد

بے شک علمائے کرام ائمہ دین عدول ثقات معتمدین نے اپنی تصنیف جلیلہ میں اس کی (شبِ معراج کو عرش تک تشریف لے جانے کی) اور اس سے زائد کی تصریحات جلیلہ فرمائی ہیں اور یہ سب احادیث ہیں، اگرچہ احادیث مرسل یا ایک اصطلاح پر معضل ہیں اور حدیث مرسل ومعضل بابِ فضائل میں بالاجماع مقبول ہے خصوصاً جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو تو ضرور ثبوت سند پر محمول، اور مثبت نافی پر مقدم اور عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۱س ام ص:۶۴۳-۶۴۴)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

لا یضر ذٰلک فی الاستدلال بہ ھٰھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعا.

(ترجمہ: اس سے استدلال کرنا یہاں مضر نہیں کیوں کہ فضائل میں منقطع بالاجماع قابل عمل ہے۔) (فتاویٰ رضویہ جلد ۱س ام ص:۶۵۵)

☆☆☆☆☆

خاص احادیثِ موضوعہ کے بارے میں

رضوی ارشادات، توضیحات وتحقیقات

افادہ (۱)

موضوعیتِ حدیث کی معرفت کے ۱۵/ طریقے

(موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے) غرض ایسے وجوہ سے حکم وضع کی طرف راہ چاہنا محض ہوس ہے، ہاں موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (۱) قرآن عظیم (۲) سنتِ متواترہ (۳) یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقل صریح (۵) یا حسن صحیح (٦) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔ (۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُرنور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذ اللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدحِ باطل یا ذمِ حق پر مشتمل ہونا۔ (۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اوران میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے کذب وبطلان پر گواہی مستنداً الی الحس دے۔ (۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور ومستفیض ہوجاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔ (۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلامِ معجز نظامِ نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس ۱۰/ صورتیں تو صریح ظہور ووضوحِ وضع کی ہیں۔ (۱۱) یا یوں حکمِ وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔ (۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہل بیت کرام علیٰ سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں

روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: **لحمک لحمی و دمک دمی۔** (ترجمہ: تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خُون میرا خُون۔)

(**اقول**: انصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں، **کما نص علیه الحافظ ابو یعلی و الحافظ الخلیلی فی الارشاد۔** (ترجمہ: جیسا کہ اس پر حافظ ابویعلیٰ اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔) یوں ہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں **کما ارشد الیه الامام الذاب عن السنة احمد بن حنبل رحمه اللّٰه تعالیٰ** (ترجمہ: جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں۔)

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کردی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلمین اطفال۔ (۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمۂِ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔ (۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کردے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلۂ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلا واسطہ بدعویٔ سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخِ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں۔

ثمّ اقول: رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) انکار محقق یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع، کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو، امام سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں اسی پر جزم فرمایا۔

(۲) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھُوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اُس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متّہم بکذب و وضع ہو، یہ مسلک امام الشان وغیرہ علماء کا ہے۔

(۳) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔

بالجملہ اس قدر پر اجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہرگز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے یا مشدد مفرط ہے یا مخطی غالط یا متعصب مغالط و اللّٰہ الھادی وعلیہ اعتمادی۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص: ۴۶۰-۴۶۸)

(بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے) جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ دلائل سے منزّہ ہو محدّث اگر اُس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث

اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع و باطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصلِ حاصِل، ائمۂ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کو حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۴۶۸)

افادہ (۲)

موضوعات کی کتاب میں کسی حدیث کا آنا اس کے ضعیف ہونے کی بھی دلیل نہیں

کتبِ موضوعات دو طرح کی ہیں

(کتبِ موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو ہی مستلزم نہیں)

اقول: کتابیں کہ بیان احادیث موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو قسم ہیں، **ایک وہ** جن کے مصنفین نے خاص ایرادِ موضوعات ہی کا التزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیل جوزقانی وموضوعات صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجا ہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے۔ پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنّف میں موضوع ہے بہ نظرِ واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان۔

ان سب کتب میں احادیث ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھردی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگادیا ہے جسے ائمۂ محققین ونقادِ منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح وتقریب امام نووی والفیہ امام عراقی وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیف علما سے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور

انہی کی تعقبات ولآ لی مصنوعہ والقول الحسن فی الذب عن السنن وامام الشان کے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد وغیرہا سے بنہایت تفصیل واضح وروشن۔ مطالعۂ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستّہ ومسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہہ دیا۔

دوم وہ جن کا قصد صرف ایراد موضوعات واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق وتنقیح جیسے لآ لی امام سیوطی یا نظر وتنقید کے لیے اُن احادیث کا جمع کر دینا جن پر کسی نے حکم وضع کیا۔ ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضوعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے مثلاً ''لا یصح'' (یہ صحیح نہیں۔) یا ''لم یثبت'' (یہ ثابت نہیں۔) یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر ''رفعہٗ'' کی قید زائد کردی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلٰی ھذا القیاس۔ (فتاوٰی رضویہ جلد پنجم، ص: ۵۴۸-۵۴۹)

افادہ (۳)

حدیث کی موضوعیت کا ثابت ہونا اس میں مذکور فعل کی ممانعت کی دلیل نہیں

عمل بموضوع وعمل بمافی موضوع میں زمین آسمان کا فرق

اعمالِ مشایخ محتاجِ سند نہیں

(حدیث اگر موضوع بھی ہو تو تاہم اس سے فعل کی ممانعت لازم نہیں) اقول: اچھا سب جانے دیجیے اپنی خاطر پُورا تنزل لیجیے بالفرض حدیث موضوع وباطل ہی ہو تاہم

موضوعیت حدیث عدمِ حدیث ہے نہ حدیث عدم، اُس کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارے میں کچھ وارد نہ ہوا نہ یہ کہ انکار ومنع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعد شرع ممانعت بتائیں ممنوع ہوگا ورنہ اباحت اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیت حسن حسن و مستحسن ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۶۱)

ثمّ اقول: تحقیق مقام یہ ہے کہ عمل بموضوع وعمل بمافی موضوع میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ثانی مطلقاً ممنوع نہیں ورنہ ایجاب وتحریم کی باگ مفتریان بیباک کے ہاتھ ہو جائے لاکھوں افعال مباحہ جن کے خصوص میں نصوص نہیں وضاعین ان میں سے جس کی ترغیب میں حدیث وضع کر دیں حرام ہو جائے جس سے ترہیب میں گھڑ لیں وہ واجب ہو جائے کہ تقدیر اول پر فعل ثانی پر ترک مستلزم موافقت موضوع ہوگا اور وہ ممنوع لطف یہ کہ اگر ترغیب وترہیب دونوں میں بنا دیں تو فعل وترک دونوں کی جان پر بنا دیں نہ کرتے بَن پڑے نہ چھوڑتے۔ **فاعلم و افهم انكنت تفهم** (جان لے سمجھ لے اگر تُو سمجھ سکتا ہے۔) اور اول میں بھی حقیقۃً محذور نفس فعل میں نہیں بلکہ نظر امتثال واعتقاد ثبوت میں تو بفرض وضع اس نظر سے منع ہے نہ اصل فعل سے، سفہائے وہابیہ ہمیشہ ذات وعارض میں فرق نہیں کرتے۔

(اعمالِ مشائخ محتاجِ سند نہیں اعمال میں تصرف وایجادِ مشائخ کو ہمیشہ گنجایش)

بالفرض کچھ نہ سہی تو اقل درجہ اس فعل کو اعمالِ مشائخ سے ایک عمل سمجھیے کہ بغرض روشنائی بصر معمول ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت، صیغۂ اعمال میں تصرف واستخراجِ مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سند خاص نہیں مانگتا کتبِ ائمہ وعلما ومشائخ واساتذہ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز اور خود ان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا باتوں سے مالا مال ہیں اُنہیں کیوں نہیں بدعت وممنوع کہتے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم، ص:۵۷۱-۵۷۲)

ادارۂ معارفِ اسلامی کی پیش کردہ

چندنئی مطبوعات

نوری اوراد و وظائف

(۶۰۸ صفحات)

مشمولات

☆ قرآنی سورتوں کے فضائل

☆ قرآنی سورتیں

☆ اورادِ طیبہ و وظائفِ مبارکہ

☆ درود ہائے مقدسہ

☆ ادعیہ مسنونہ

☆ اسلامی بارہ مہینوں کے واقعات

☆ اسلامی بارہ مہینوں کے فضائل

☆ اسلامی بارہ مہینوں کی نفل نمازیں

☆ اسلامی بارہ مہینوں کے معمولات کے احکام

☆ نفل نمازیں

☆ نفل روزے

☆ اعتکاف

☆ فاتحہ وایصالِ ثواب

☆ نعتیں، صلاۃ وسلام

حج وعمرہ

کے فضائل ومسائل سے متعلق کتابیں

☆ حج کیوں کریں؟

☆ حج کیسے کریں؟

☆ آدابِ مدینہ

☆ طریقۂ عمرہ وآدابِ مدینہ (برائے مرد حضرات)

☆ طریقۂ عمرہ وآدابِ مدینہ (برائے خواتین)

اسلامی تعلیمی نصاب (جدید)

(۹۶۰صفحات)

مشمولات

☆پہلا باب:اعتقادات

☆دوسراباب:طہارات

☆تیسرا باب:نماز کا بیان

☆چوتھاباب:روزے کا بیان

☆پانچواں باب:زکوٰۃ،فطرے اورعشر کا بیان

☆چھٹاباب:حج وعمرہ کا بیان

☆ساتواں باب:نکاح اور طلاق کا بیان

☆آٹھواں باب:ذبح اورقربانی کا بیان

☆نواں باب:مسائلِ حلال وحرام

☆دسواں باب:مسائلِ حالتِ موجودہ

☆گیارہواں باب:فرائض قلبیہ

☆بارہواں باب:محرمات باطنیہ

☆تیرہواں باب:ترتیل کی معلومات

☆چودہواں باب:سورتوں کی تحفیظ

☆پندرہواں باب:حفظِ احادیث

☆سولہواں باب:آداب وادعیہ

☆سترہواں باب:سیرتِ رسول